OPEN ACCESS
AFKĀR
ISSN 2616-8588 (Online)
ISSN 2616-9223 (Print)
afkar.com.pk; iri.aiou.edu.pk

Scan for download

تاریخ رسم الخط اور عربی خط کی تشکیل وارتقاء: ایک جائزہ

Historical Evolution of Arabic Script: An Appraisal

Dr. Humera Naz
Assistant Professor
Department of Islamic History
University of Karachi, Karachi

ABSTRACT

The invention of writing script has always been very beneficial. If these scripts had not been invented, we could not have benefited from the gems of arts and science. We must lose the precious experiences of our ancestors. It is due to this invention that the glorious scholarly work by intellectual minds is safe. Manuscript is the key to save thoughts and theories. With the passage of time, its importance and magnificence increases. Arts and sciences, cultures and civilizations, religions, ethics, history and experiences were developed and enhanced after the invention of writing. That is why the creation of writing script is an interesting chapter of the world's history. This thesis summarizes history of the writing style and a brief sketch of its evolutionary upheaval. The main concern of the article is the history of Arabic writing that has the distinction of being the most ancient writing system of the world. All of our ancestors' essence of work is in Arabic script. Also, the noble book of Muslims Holy Qur'ān was revealed in this Arabic script. Hence, Arabic brought grand revolution in the world due to its religious magnificence and dignity. The significance of the Arabic writing system cannot be denied. The paper explains how Arabic script of writing transformed into a recent structure.

Keywords: *Writing, Invention, History, Arabic Script, Evolution.*

CC BY

تاریخ رسم الخط اور عربی خط کی تشکیل وارتقاء

نوع انسانی نے اب تک اپنی حیرت انگیز عقل اور قوت اختراع کے جو نمونے چھوڑے ہیں ان میں بلا شبہ سب سے زیادہ مفید رسم الخط کی ایجاد ہے۔خط کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان،انسان چونکہ فطرۃً اجتماعیت پسند ہے اور اس کی سب سے بڑی ضرورت اپنے افکار و خیالات دوسرے انسان کو سمجھانا تھا،ابلاغ اور تفہیم کے لیے اس کو ایک ذریعہ درکار تھا اور اس کی یہی ضرورت خط کی ایجاد کا سبب بنی۔آج خط کی اہمیت کا سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر یہ فن لطیف ایجاد نہ ہوتا تو آج کا انسان اپنے اسلاف کے کارناموں اور تجربات سے محروم ہوتا،علوم فنون کے بیش بہا خزانے اور دوسرے اقوام کی ترقیوں سے استفادہ نہ کرتا۔اگرچہ کہ رسم خط کی ایجاد و تکوین، نشو و نما،انقلابات اور اس کی حیرت انگیز عالمگیری کی داستان تاریخ عالم کا ایک نہایت دلچسپ باب ہے، مگر خط کا ماخذ اس قدر تاریک ہے کہ یقین کے ساتھ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ وہ کب ایجاد ہوا؟ فنون لطیفہ کا یہ موضوع جس قدر دلچسپ ہے،اسی قدر کٹھن بھی۔گو کہ اس مختصر مقالہ میں اس کی تمام جزئیات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔تاہم تاریخ کی روشنی میں ایک مختصر سا اجمالی خاکہ پیش کرکے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خط کی پیدائش کے اسباب کیا تھے؟ وہ کیونکر وجود میں آیا اور پھر اپنی ارتقائی اور تدریجی منازل طے کرکے ترقی یافتہ شکل میں کیسے پہنچا۔چونکہ ہمارا مقصود عربی رسم الخط ہے جو اسلام کی وحی الٰہی کا حامل اور اس کا ترجمان ہے اور اسے دنیا کا قدیم ترین رسم خط ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس لیے ذیل میں رسمِ خط کی عام اجمالی تاریخ کے بعد عربی خط کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ عربی رسم خط نے کس قدر تغیر وانقلاب کے بعد موجودہ قالب اختیار کیا۔لیکن اس سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر خط کے معنی اور مفہوم پر ڈال لی جائے تاکہ خط کا مفہوم اچھی طرح واضح ہوسکے۔

خط

لفظ ''خط'' مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہاں ہم خط کے مختلف مفاہیم بیان کررہے ہیں۔

خط دراصل عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کی جمع خطوط ہے۔مشہور رجزگو شاعرالعجاج نے اس کی جمع ''اخطاط'' بھی قرار دی ہے۔ خط،کتابت، تحریر،سطر کے ہم معنی لفظ میں استعمال ہوتا ہے۔خط کو اور کئی معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔اسے لکیریں بنانے، فضائی راستوں اور کتابت کی سطروں کے لیے استعمال کیا گیا۔[1]

لسان العرب میں ہے کہ :

الخط:الطریقة المستطیلة فی الشيء،والجمع خطوط؛ وقد جمعه العجاج علی اخطاط فقال:وشمن فی الغبارِ کالا خطاطِ

والخط:الطریق،یقال:الزم ذلک الخط ولا تظلم عنه شیأً؛ قال ابو صخرالهذلی۔

صدود القلاص الادم فی لیلة الدجی،

عن الخط لم یسرب لها الخط سارب،وخط القلم ای کتب:وخط الشیء یخطه خطاً:کتبه بقلم او غیره؛ وقوله:

فا صبحت بعد خط،بهجتها

کان،قفراً،رسومها،قلما

أراد فاصبحت بعد بهجتها قفراً کان قلماً خط رسومها [2]

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق

''خط لکیروں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایسی لکیر جو زمین پر کھود کر بنائی جائے (جیسے ہل سے بنائی جاتی ہے) یا ایسی لکیر جو ریت پر لکڑی کی نوک سے یا انگلی سے بنائی جائے۔ یہ لفظ کثرت کے ساتھ قبر کھودنے کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ (کیونکہ قبر لمبی اور سیدھی ہوتی ہے) جیسے جیسے زمانہ بدلا اس لفظ نے نئے معنی اختیار کر لیے اور کتابت، سطر، فضائی راستوں، سلسلہ مواصلات و ٹیلی فون کے لیے استعمال ہوا۔ جبکہ اردو زبان میں خط کو نوشتہ، چٹھی، لکھت، تحریر، دستخط، نشان، علامت اور دستاویز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لمبی لکیر کو جیومیٹری میں خط کہتے ہیں پرانے وقتوں میں کاہن لوگوں کو قسمت کا حال بتانے کے لیے زمین پر خط کھینچتے اور پھر انہیں مٹا دیتے۔ آخر میں طاق لکیریں بچ جانے کی صورت میں بد فال اور جفت لکیریں بچنے کی صورت میں نیک فال مراد لی جاتی تھی''۔[3] یہ جاہلیت کی کہانت تھی۔ اس لیے اسلام نے اسے ممنوع قرار دیا۔

پھر اس کے بعد اساسی طور پر خط کے معنی رسم کتابت کے ہوگئے۔ یعنی ''عربی لکھنے کا طریقہ، اس کی ترقی اور اشکالِ مختلفہ'' یہ لفظ ان معنوں میں امرؤ القیس کے کلام میں ملتا ہے۔[4] بعد کی نظموں میں کتابت کے لیے خط کا استعمال پہلے کی بہ نسبت زیادہ کثرت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ لیکن خط کا لفظ صرف عربی لکھنے کے لیے نہیں بلکہ دوسری زبانوں کی کتابت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جبکہ عصر حاضر کی زبان میں لفظ خطّی مطبوعہ کتابوں کے مقابلے میں قلمی نسخوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔[5]

گویا لفظ ''خط'' عربی میں ہر قسم کی تحریر کے لیے استعمال ہوا ہے اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے معنی بھی بدلتے گئے۔

رسم الخط کی ایجاد وار تقاء

رسم الخط کی ایجاد وار تقاء بلاشبہ انسان کا ایک عظیم کارنامہ ہے لیکن خط کی یہ ایجاد کا سفر صدیوں سال پر محیط ہے، چونکہ انسان ابتداء ہی سے فطرۃ فخار اور شہرت پسند واقع ہوا ہے وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کارہائے نمایاں سے اپنے ابنائے جنس پر تفوق حاصل کرے اور اپنے کارناموں کی یادگار قائم کر کے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کرے۔ درحقیقت یہی وہ وصف ہے جو انسان کی قوت اختراع اور ایجاد کو ہمیشہ ہیجان میں رکھتا ہے۔ عہد اوّل کا انسان بھی اس تخیل سے خالی نہ تھا۔ اس نے اپنی یاد تازہ رکھنے کے لیے اور اپنے جذبات واحساسات کے اظہار کے لیے کچھ اصطلاحات وضع کیئے اور اپنے کارناموں کی فہرست پتھروں پر نقش کر کے چھوڑ گیا۔ تاکہ مرنے کے بعد بھی اس کی شہرت قائم رہے۔ چنانچہ قدیم زمانے کے مرموز و منقوش کتبے ان لوگوں کی شہرت پسندی کی نہایت روشن مثال ہیں۔ اور درحقیقت انہیں نقوش کو خط کا سنگ اساس سمجھنا چاہیے۔[6] جو ہزاروں سال کا سفر طے کر کے حروف کے نام سے موسوم ہوئے۔ آج انہی کا نام رسم الخط ہے۔ بے شک خط کی ایجاد انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے اور اس کی اہمیت محتاج بیان نہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے سب سے پہلے قوتِ گویائی عطا کی۔

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''اس (اللہ) نے انسان کو پیدا کیا اور اس نے اس کو گویائی عطا کی''[7]

زبان کی ایجاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو مزید توفیق بخشی اور اس نے تحریر کا فن ایجاد کر ڈالا لیکن تحریر کا فن کس نے ایجاد کیا؟ کب، کہاں اور کس طرح ایجاد ہوا؟ یہ ساری باتیں ماضی کی گم شدہ داستانیں ہیں البتہ ابتدائی تحریر کے مختلف نقوش اور مختلف آثار جو مختلف زمان اور مکاں میں

دریافت ہوچکے ہیں ان کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فن تحریر کی تکمیل صدیوں میں ہوئی[8] اس سفر کے چار مرحلے بڑے نمایاں نظر آتے ہیں۔

ابتداء میں انسان وحشی اور غیر متمدن تھا۔ شروع شروع میں انسان ایک دوسرے سے رابطہ کرنے کے لیے زبان ہی استعمال کرتا تھا۔ ایک مدت دراز کے بعد جب اُس نے انسانیت کے دائرے میں قدم رکھا اور متمدن ہوا تو اپنے مرکز سے دنیا کے وسیع و عریض گوشوں میں جابجا آباد ہوگیا۔ آپس میں ایک دوسرے کا حال دریافت کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔ نیز قومی اور ملکی حالات میں انقلابات پیش آئے تو اُن کو محفوظ رکھنا ضروری خیال کیا گیا تو پہلے پہل اظہار خیال کے لیے محض چند اشارات وضع ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ اشارات الفاظ میں بدلے اور لوگ مختلف طریقوں سے اظہار کرنے لگے اشارات کے مقابلے میں الفاظ کی تعداد زیادہ تھی۔ ظاہر ہے کہ تمام الفاظ کو دماغ میں محفوظ رکھنا ناممکن تھا۔ حافظہ اور یاداشت کی اس خامی کی وجہ سے انھوں نے ابتدا میں چند نقوش اور تصاویر سے کام لیا۔ ہر واقعہ اور مادی خیال کو تصویر کی صورت میں پیش کرنے لگے[9] آغاز میں یہ تصویریں بہت بھونڈی اور بے تکی تھیں۔ لیکن بتدریج ان کے اندر صفائی آنے لگی اور اصل سے مطابقت پیدا ہونے لگی۔ پھر انسان نے تصویروں میں رنگ بھرنا شروع کردیا۔ پس یہ تھا خط کا پہلا خاکہ اور یہ صورت تصویر نویسی کی پکٹو گرافی (Pictography) کہلاتی ہے۔ جو ھیرو غلفی (تصویری خط) کی بالکل ابتدائی صورت ہے۔ آغاز میں تصویری رسم الخط میں ہر تصویر کا مطلب اس کی اصل شے ہی ہوتی تھی یعنی اس میں جس چیز کی تصویر بنائی جاتی تھی اس سے مراد اسی تصویر کی لی جاتی تھی مثلاً کسی چٹان پر کشتی کی تصویر بنائی گئی تھی۔ اس سے مراد کشتی لی جائے گی کوئی اور چیز نہیں۔[10] اس زمانے کو تصویری دور کہتے ہیں[11] لیکن اس سے یہ قیاس کرنا چاہیے کہ اُس زمانہ میں فن مصوری نے اس قدر ترقی کرلی تھی کہ آسانی کے ساتھ ہر واقعہ کی تصویر کھینچ دی جاتی تھی محققین کے نزدیک اس کا زمانہ پندرہ ہزار قبل مسیح کا ہے۔[12]

تصویر سازی کے بعد انسان نے ایک قدم اور آگے بڑھایا پوری تصویر بنانے کی بجائے اس نے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ کر تصویری خاکے بنانے شروع کردیئے پھر ان خاکوں کے ذریعے اس نے اپنے خیالات ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ یہ ھیرو غلفی کی وہ صورت ہے جس میں تصویر میں ایک شاعرانہ انداز اور شان ہے اور بطور استعارے کے تصویر استعمال کی جاتی تھی یعنی جس چیز کی تصویر بنائی جاتی تھی اس کی مخصوص صفت یا مخصوص عمل کی طرف خیال کو لے جا کر اس سے کام لیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک تصویر میں کچھوے کی تصویر سے کچھوا مراد نہیں ہے بلکہ کچھوے کو بنا کر خشکی پر اہل کشتی کے پہنچ جانے کی خیال نویسی کی گئی ہے[13] اسی طرح اظہار دشمنی اور عداوت کے اظہار کے لیے سانپ کی شکل اور جنگ وجدل کے لیے شیر اور چیتے کی تصویریں بنائی جاتیں۔ پھر ایک گول دائرہ بنا کر سورج کو ظاہر کیا جاتا تھا اور اس سے دن مراد لیا جاتا تھا یا لہریں بناتے تھے اور دریا پانی مراد لیتے تھے یا کشتیوں کی تصویر سے اوپر ایک پرندہ کی تصویر بنا کر سردارِ قافلہ کو ظاہر کیا جاتا تھا۔ یہ اُس زمانے کی تصویریں ہیں، جب کوئی خط ایجاد نہیں ہوا تھا۔ چونکہ انسان اس وقت اسم و فعل اور کلمہ سے ناواقف تھا۔ واقعات اور خیال کی تصویریں بنائی جاتی تھیں، یہی تصویریں اس کے خیال کا پرتو بنیں اور یہی تصویریں خطاطی کا سنگ بنیاد اور خطاطی اور مصّوری کا مشترکہ سرچشمہ تھیں[14] بہر حال یہ سب قدیم سے قدیم نمونے ہیں جو بالآخر خطاطی کا ماخذ قرار پائے اور اس زمانے کو خیال نویسی کا دور (Ideography) کہتے ہیں۔[15]

خیال نگاری میں جب انسان نے مزید مہارت حاصل کرلی تو نقوش کی شکلیں مستحکم، پختہ اور خوبصورت ہوتی گئیں۔ ان کی شکلیں بھی

متعین ہو گئیں اور ان کے بنانے میں آسانی بھی ہو گئی۔ بنانے میں وقت بھی کم خرچ ہوتا تھا۔اس دور کو رمزیہ یا علامتی(Symbolic) دور کہتے ہیں۔ پھر انسان نے ان رمزیہ نقوش کو خاص خاص تصورات کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہ درحقیقت ترقی کی جانب ایک انقلابی قدم تھا۔[16]

انسان نے جب مزید ترقی کی تو اس نے ان رمزیہ نقوش کو آوازوں کے ساتھ وابستہ کر دیا۔اس کو آواز نگاری(Phonography) کا دور کہتے ہیں۔ ترقی کا یہ بھرپور آخری قدم اس وقت اٹھایا گیا، جب انسان نے حلق سے نکلنے والی آوازوں کے لیے جداگانہ نقوش مخصوص کر لئیے۔ان صوتی نقوش کو حروفِ ابجد (Abecedary) یا حروفِ الفباء(Alphabet) کہتے ہیں۔ جس طرح حلق کی آوازوں کو جوڑ کر الفاظ بناتے ہیں، اسی طرح صوتی نقوش کو جوڑ کر تحریر لکھتے ہیں۔اب ہر قسم کی آوازوں کو قلم بند کرنے کا طریقہ معلوم ہو گیا۔اب گفتگو کو تحریر میں منضبط کرنا آسان ہو گیا۔ فن تحریر کا یہ سفر کئی صدیوں میں جا کر مکمل ہوا ہے۔ بہت سی قوموں نے مختلف ملکوں میں تحریری سفر کا آغاز کیا۔ بعض قومیں ایک سنگ میل پر جا کر ٹھٹک گئیں۔ مزید سفر جاری نہ رکھ سکیں۔البتہ بعض ملکوں میں تحریر کا سفر منزلِ مراد پر پہنچ گیا۔[17]

زبان کی تخلیق کے بعد فن تحریر کی ایجاد انسان کا سب سے عظیم الشان اور کارآمد کارنامہ ہے[18] انسانی زندگی میں خط وکتابت کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ خط کی ایجاد سے پہلے انسان کی ترقی کا سفر سست روی سے طے ہو رہا تھا۔ خط کی ایجاد سے اس میں تیزی آئی اور اس کی ترقی سے تیز تر ہوتا چلا گیا[19] تحریر کی ایجاد کے بعد ہی علوم وفنون، تہذیب وتمدن، مذہب واخلاق، تاریخ وتجربات کو ترقی اور فروغ حاصل ہوا۔ انسان کی حیرت انگیز ترقی اور تہذیب وتمدن کی خیرہ کن چمک دمک میں فن تحریر نے غیر معمولی کردار ادا کیا[20] اگر دنیا اس تحریر کے فن سے محروم ہوتی تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ بنی نوع انسان آج پستی وضلالت کے کس غار میں سرنگوں ہوتا۔ کیونکہ فن خطابت ہی وہ معیار ہے۔ جس سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ مزید براں انسان کی انسانیت اسی پر مبنی اور منحصر ہے اور عالم گیر تہذیب وتمدن کی کامیابی کا راز اسی فن کتابت میں پنہاں ہے۔[21]

خط کی اسی اہمیت کے بارے میں رسالہ تہذیب الاخلاق میں لکھا ہے:

"مہذب قوموں میں سب سے زیادہ مابہ الامتیاز یہ خط ہی ہے۔ جو قوم فن تحریر سے ناآشنا ہے اس میں اور حیوانوں میں کچھ تھوڑا ہی سا فرق ہے۔"[22]

بلاشبہ خط کی ایجاد نے انسانی زندگی کی تشکیل، تمدن ومعاشرت کی وسعت وفروغ اور تہذیب اخلاق کے باب میں دوررس اور دیرپا اثرات مرتب کیے۔

خط کی اسی اہمیت وحقیقت کو علامہ ابن خلدون نے بھی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:

"خط ان مخصوص حرفی اشکال ونقوش کو کہتے ہیں جو سنے ہوئے کلموں پر دلالت کرتے ہیں اور یہ کلمے مافی الضمیر کی طرف رہنما ہوتے ہیں۔ لہٰذا خط لغوی دلالت کی نسبت ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ خطاطی وکتابت ایک باعزت پیشہ ہے۔ اور انسان ہی کے ساتھ خاص ہے۔ جس سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے انسان اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے دیگر شہروں اور لوگوں تک اپنے خیالات پہنچاتا ہے۔ گھر بیٹھے اپنے کام نکال لیتا ہے اور سفر کی صعوبتوں سے بچ جاتا ہے۔ پھر اسے سیکھ کر انسان علوم ومعارف سے اپنا دامن بھر لیتا ہے اور سابق اقوام کے حالات سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان دلائل ومنافع کے پیشِ نظر کتابت ایک شریف فن ہے۔"[23]

بہر کیف خط کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس کی اہمیت اور عظمت میں گزرتے وقت کے ساتھ اضافہ تو ہوا ہے کمی نہیں آئی ہے۔ تحریر، افکار، اور خیالات کو محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے۔ جبکہ حیوانات اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر نہیں نہ ان کی فکری یکسانیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے مگر فطرت انسانی کی زندگی میں ایک تنوع پایا جاتا ہے ایک رنگارنگی پائی جاتی ہے لہٰذا اس کے لیے اظہار و بیان ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے تخلیق، زبان و بیان کی صلاحیت عطا فرمائی اور پھر ان بیانات اور تعبیرات کو محفوظ رکھنے کے لیے اسے ایسے نقوش سکھا دیئے جو ان بیانات پر صحیح طور پر دلالت کر سکیں پس اسی کا نام تحریر ہے۔

لیکن فن تحریر کے حوالے سے صحیح طور پر یہ بات معلوم نہیں کہ تحریری خط ایجاد کرنے کا شرف سب سے پہلے دنیا کے کس خطے کو حاصل ہوا؟ جدید دور میں آثار قدیمہ کے انکشافات سے قدیم تاریخ کے بہت سے گوشے بے نقاب ہو گئے ہیں۔ محققین اور ماہرین کا خیال ہے کہ دنیا میں وادی دجلہ و فرات اور وادی نیل دو خطے ایسے ہیں جہاں انسانی تمدن کے قدیم ترین نمونے دریافت ہوئے ہیں۔ اب تک کی معلومات کے مطابق تہذیب و تمدن کے گہوارے یہی دو خطے ہیں[24] ان ہی دو خطوں سے تصویری خط کے سب سے قدیم سے قدیم نمونے ملتے ہیں جو بالآخر خطاطی کی بنیاد قرار پائے اور انہی تصویروں کا نام ھیرو غلفی خط ہوا۔ ھیرو غلفی کا دوسرا نام تصویری خط ہے۔ تمام دنیا کے جتنے مختلف حروف تہجی ہیں وہ سب انہیں خطوط تصویری سے نکلے ہیں۔ صرف چند ایسے ہیں جو حرفوں کی آواز کا راز معلوم ہو جانے کے بعد بلاواسطہ ایجاد ہوئے۔ مگر ان کی ایجاد میں بھی کسی نہ کسی قسم کے ھیرو غلفی کے حروف تہجی سے خیال نے مدد لی یہی وجہ ہے کہ ھیرو غلفی کو دنیا کے خط کا ماخذ مانا گیا ہے۔ اس میں بھی مصر اور بابل و عراق کے ھیرو غلفی نے ابتدأَ سب سے زیادہ حصّہ ایجاد و خطوط میں لیا۔ ھیرو غلفی کے خاص مراکز یہی مصر، عراق قرار پائے۔[25] ھیرو غلفی خط مصر اور عراق میں 2700 سال قبل مسیح اور بعض تحقیقات اور ثبوت سے پتہ چلتا ہے کہ 5000 سال قبل مسیح رائج ہوئے۔[26]

قدیم تمدن کا حامل پہلا خطہ مصر ہے۔ رسم خط کے ماہرین کی رائے ہے کہ مصر میں 3200 قبل مسیح اور بعض تحقیقات اور ثبوت سے پتہ چلتا ہے کہ 5000 سال قبل مسیح میں تصویری نقوش کے ذریعے تحریر کا فن رائج ہو چکا تھا مصریوں نے اپنے افکار و خیالات کو ظاہر کرنے کی غرض سے ایک رسم خط "خط تمثال" ایجاد کیا تھا۔[27] جس کے لیے انھوں نے انسانی و حیوانی شکلوں سے کام لیا۔ اور جو صورتیں خیالی تھیں اُن کے لیے کچھ علامتیں مقرر کر لیں۔ کاغذ کی جگہ مختلف رنگ کے پتھر اور قلم کی جگہ تیشہ[28] استعمال کیا اور اس طرح حالات و واقعات ضبط تحریر میں لانے لگے اور اس کے لیے دیگر اشکال تجویز کیں[29] مدت دراز تک اہلِ مصر اور دیگر ساکنانِ ایشیائے کوچک اسی مجبری خط (تصویری خط) کے ذریعے اپنے عُقدے حل کرتے رہے۔ تصویری نقوش سے مزید ترقی کرکے جب وہ رمزیہ تحریر میں داخل ہوئے تو اس کو ھیرو غلفی (HieroGlaphy) کہتے ہیں جبکہ یورپ والے اس کو ھیرو کلیفی (Hieroclyphics) اور عرب ھیرو غلفی سے ہی موسوم کرتے ہیں[30] اور اس کی ترقی یافتہ شکلوں کو ھیرو طیقی[31]، ویموطیقی[32]، فنیقی[33]، آرامی[34]، حمیری[35]، سریانی[36]، عبرانی[37] اور نبطی[38] کہتے ہیں۔ یہ خط مصر میں صدیوں تک رائج رہا۔ ان خطوط کا انکشاف آج کل کے زمانے میں اس پتھر کے کتبے سے ہوا۔ جس پر ھیرو غلفی، ویموطیقی اور یونانی خطوط کے کتبے ایک ہی مضمون کے تھے۔ جب نپولین بونا پارٹ کی فوج مصر کی مہم سر کرنے گئی تھی تو یہ پتھر ملا جو مصر سے فرانس پھر وہاں سے انگلستان پہنچ گیا اور اس وقت لندن کے برٹش میوزیم میں ہے۔ اس کا نام حجر الرشید[39] ہے یا روزیٹا اسٹون (Rosetta Stone) کہتے ہیں۔ مصری خط کے پڑھنے میں حجر الرشید (Rosetta Stone) نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ جب تصویری خط کے دورانِ رواج میں آواز کے

لیے تصویر کا تعین ہو چکا تو 22 قسم کی آوازوں کے لیے 22 تصویریں بنائی جانے لگیں اور یہ 22 تصویریں رفتہ رفتہ تصویری لباس اتار کر ایک ایک حرف کا نشان بن گئیں اور یہ وہی 22 حروف ہیں (ا، ب، ج، د، ہ، و، ز، ح، ط، ی، ک، ل، م، ن، س، ع، ف، ص، ق، ر، ش، ت) جو صدیوں اور قرنوں کے کے بعد ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت میں محدود ہوئے۔ جب عربوں نے ہزارہا سال بعد اس پر چھ حروف (ث، خ، ذ، ض، ظ، غ) اور بڑھائے تو ثخذ، ضظغ ہو گیا۔ اسی پر ایرانیوں نے پ، چ، ژ، گ اور ہندوؤں نے اردو کی ایجاد کے وقت ہندی اور بھاشا کے الفاظ کے تلفظ کے لیے ٹ، ڈ، ڑ، بڑھادی۔ یہی ابجد سے ضظغ کے حروف تھے جس کے لیے بجائے حرف کے اعداد بہت پہلے معین کئے جا چکے تھے۔[40]

قدیم تمدن کا حامل دوسرا خط وادی دجلہ وفرات یعنی موجودہ عراق ہے۔ عراق (بابل) میں حضرت مسیح علیہ اسلام سے آٹھ یا نو ہزار سال قبل رہائشی مکانات کا پتہ چلتا ہے وہاں مختلف حکومتوں کا قیام ہو چکا تھا۔ اور سلطنتوں کے دائروں میں کتابت جاری تھی۔ اس وقت وہاں جو قوم آباد تھی وہ سومر (Sumer) یا سمیری کہلاتی تھی۔[41] انھوں نے تحریر کے لیے سومری خط ایجاد کیا تھا[42] یہ عراق کا تصویری خط تھا۔ اس خط کے بارے میں اعجاز راہی لکھتے ہیں کہ :

"سومریوں نے لکھنے کا فن سب سے پہلے ایجاد کیا مگر ان سے حروف تہجی ایجاد نہ ہو سکے بلکہ انھوں نے مطلب کے اظہار کے لیے کچھ نشانات وضع کر لیے جسے ابتدا میں تصویری تحریر کا نام دیا گیا اس خط میں حروف دائیں سے بائیں کی طرف لکھے جاتے تھے۔"[43]

سومریوں کے ہی زمانے میں 3500 قبل مسیح کے آس پاس سامیوں (حضرت نوح کے فرزند) کے خانہ بدوش گروہ نے جزیرۃ العرب سے عراق کی طرف ہجرت کی اور سومری آبادی پر چھا گئے جو وہاں مستقل طور پر رہتی تھی اور تہذیب کے اعلیٰ پیمانے پر پہنچ چکی تھی اس طرح عراق میں وہ قوم بپا ہوئی جسے تاریخ میں اکادی کہا گیا ہے بعد میں انہیں بابلی کہنے لگے جو سامی زبان وہ اپنے ساتھ لائے تھے اسی کو فروغ حاصل ہوا۔[44] اور ایک نیا خط، خط سومری میں اصلاح کر کے خط مسماری وجود میں آیا۔ ان کے خط کو میخی، مسماری اور پیکانی بھی کہتے ہیں۔ یہ خط قدیم اہلِ بابل کی یادگار ہے۔[45] انگریزی میں اس کو (Cuneiform Script) کہتے ہیں۔ اس خط میں حروف کی شکل تکونے پھل جیسی بن جاتی ہے اسی وجہ سے اس کو پیکانی (تیر) بھی کہتے ہیں۔ کیل کو بطور قلم استعمال کرتے تھے۔ اس لیے اس کو میخی (فارسی کیل) اور مسماری (عربی کیل) کہتے تھے[46] یہ خط بائیں سے داہنی طرف کو لکھا جاتا تھا۔ 3500 سال قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوی تک اس کا رواج تھا۔ بابل کے ابتدائے دور تمدن سے اس کی ابتدا ہوئی اور یہ خط نینوا اور ایران تک پھیل گیا۔ یہ اُسی زمانے کی بات ہے جبکہ مصر میں تصویری خط رائج تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اسی زمانے میں عراق و بابل و نینوا میں اسی خاص قسم کا تصویری خط رائج تھا۔ جس میں کیلوں یا تیروں کی طرح کے خط سے تصویر بنائی جاتی تھی اور کچھ خیالات کے ادا کرنے کے طریقے قریب قریب اسی طرح کے رائج تھے۔ میخی خط بھی مصر کے هیروغلفی کی طرح دنیا کا قدیم ترین خط شمار کیا جاتا ہے۔ اس خط کا سب سے قدیم کتبہ بابل کے قدیم شہر ورقہ اور مغیرہ میں پایا گیا ہے اور نینوا اور ایران وغیرہ میں بھی بیشمار کتبے ملتے ہیں۔[47]

سومریوں کے بعد بابلی، آشوری، کلدانی، اور ایرانی قومیں برسر اقتدار آئیں۔ ان کی زبانیں مختلف تھیں مگر اپنی زبانوں کے لیے خط انھوں نے پیکانی ہی استعمال کیا۔ اس طرح ارد گرد کے تمام ممالک میں یہ خط رائج ہو گیا۔ مگر بابل پر جب اہل ایران کا غلبہ ہو گیا تو اس خط کو زوال آ گیا۔ پھر دھیرے دھیرے یہ خط ناپید ہو گیا۔[48]

بہر کیف ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جس قدر نمونے خطوط کے موجود ہیں ان کی تاریخ عراق و بابل اور مصر سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ کونسا خطہ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے سب سے قدیم ہے۔ اس سلسلے میں رسم خط کے ماہرین کی مختلف آراء ہیں ان میں سے کچھ کا خیال ہے کہ جن اقوام نے اپنے تحریری کارناموں کی یادگاریں چھوڑیں ہیں ان کی تاریخ مصر سے شروع ہوتی ہے یقیناً ان کا خط اس لحاظ سے دنیا کا قدیم ترین خط سمجھا جاسکتا ہے۔[49] لیکن جب فرانس کے ایک مشہور عالم نے دونوں زبانوں کے قدیم ترین نمونوں کا مقابلہ کیا تو بہت کچھ مشابہت پائی مگر مزید تحقیق و تفتیش نے اس حقیقت کو بھی اُجاگر کر دیا کہ وادی فرات میں وادی نیل سے ہزار ڈیڑھ ہزار برس پہلے خط تیسری اور چوتھی منزل طے کر چکا تھا۔ پس اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ اہل بابل کی تہذیب و تمدن کا ابتدائی زمانہ مصر سے زیادہ قدیم ہے ان کی تحریریں زیادہ تر میخ نما نقوش کی صورت میں ہیں اور ان میں قدیم نقوش کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ابتداء میں تصاویر تھیں[50]۔ لہذا اس لحاظ سے اہلِ بابل کو ہر ایک پر تفوق و تقدم حاصل ہے۔[51]

لیکن اس ضمن میں پھر بھی حتمی رائے نہیں دی جاسکتی کہ کون سے خطے کو اولیت حاصل ہے کیونکہ ابھی بھی تحقیقیات کا سلسلہ جاری ہے نئے نئے انکشافات سامنے آتے رہیں گے لہٰذا کسی بھی ماہرین رسم خط کی رائے کو حتمی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حروف ابجد کی ایجاد

خط کی ایجاد کے بعد ہی حروفِ ابجد وضع ہوئے۔ لیکن اس کی صحیح تاریخِ ابتدائی معلوم نہیں۔ البتہ قدیم محققین کے نزدیک حروفِ ابجد کے واضع فنیقی ہیں۔ جن کا تعلق سامی نسل ہے۔ جنہیں کنعانی بھی کہا جاتا ہے انہی کنعانیوں کو یونانیوں نے فوفیقی کہنا شروع کیا[52]۔ یہ ایک تاجر قوم تھی۔ جن کا مرکزی شہر دمشق تھا۔ چونکہ شام کا ملک بابل اور مصر دو متمدن ملکوں کے درمیان میں واقع ہے۔ اس لیے یہ دونوں ملکوں کے لیے گذرگاہ تھی۔ جائے وقوع کی اہمیت کے پیش نظر کنعانی قوم یعنی فنیقیوں نے تجارت میں بہت ترقی حاصل کی۔ یہ بابلی اور مصری دونوں تمدنوں سے پوری طرح واقف تھے۔ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ تجارتی ضرورت نے ان کو سہل تر رسم الخط ایجاد کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ واضح رہے کہ بابل میں اور مصر میں علامتی نقوش ایک خاص منزل پر آکر رک گئے تھے۔ انھوں نے ان کے کام کو آگے بڑھایا۔ انھوں نے حلق سے نکلنے والی مختلف آوازوں کے لیے جدا جدا نشانات مقرر کر لئے۔ ان نشانات یا حروف کی مدد سے وہ الفاظ اور کلمات کو لکھنے پر قادر ہو گئے۔ ان کی یہ سادہ سی ایجاد انتہائی غیر معمولی اہمیت کی حامل ثابت ہوئی۔ دو ہزار قبل مسیح میں ان کا یہ کارنامہ انسانی تاریخ میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ترقی اور عظمت کی راہ میں انسان کا یہ عظیم الشان اقدام تھا اسے نوع انسانی کی سب سے بڑی ایجاد کیا گیا۔ حروف کی ایجاد نے تحریر کا مسئلہ آسان کر دیا۔ اس طرح انسانی ترقی اور عروج کا راستہ ہموار کر دیا۔ دنیا میں ابجد یا الفباء کی ایجاد کا سہرا کنعانی نسل یعنی فنیقیوں کے سر بندھتا ہے۔[53]

فلپ۔ کے۔ حتی اپنی کتاب تاریخ شام میں لکھتے ہیں:

"فنیقیوں نے جو نعمتیں عالم انسانیت کو عطا کیں ان میں اہمیت کے لحاظ سے پہلا درجہ ابجد کو حاصل ہے۔ اس کے بعد دوسرا بڑا تحفہ عقیدہ توحید اور تیسرا بڑا تحفہ اٹیلانٹک (Atlantic) کا انکشاف ہے۔[54]

لیکن اس کے باوجود مغربی مورخین میں اس پر شدید اختلاف ہے کہ حروف ابجد کی اختراع کا سہرا آرامی، سامی نسل کو دینے کو تیار نہیں۔ شاید اس کی وجہ یورپ کا نسلی تعصب بھی ہو سکتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اتنے بڑے کارنامہ کا سہرا سامی نسل کے سر باندھیں۔ حالانکہ مغربی مورخین فلپ کے حتی اور آرنلڈ ٹائن بی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

عربی[55] رسم خط کی ابتداء

اب ہم عربی خط کے ارتقاء اور تشکیل کی طرف آتے ہیں۔ قدیم خطوط کی تاریخ کے بعد عربی ابجد یا خطوط کا آغاز ہوتا ہے۔ عربی خط دنیا کا قدیم ترین رسم الخط میں شمار ہوتا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ عربی رسم الخط کی بنیاد کس نے رکھی۔ تاہم عربی رسم خط کی ابتدا کے متعلق حسبِ ذیل روایات ملتی ہیں۔

1۔ عربی رسم الخط کی ابتدا کے متعلق عرب کے ایک شخص کعب کو راوی قرار دے کر ابنِ ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں درج کیا ہے کہ :''رسمِ خط کے موجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں انھوں نے اپنی وفات سے 300 برس قبل رسم خط عربی، فارسی اور ہر قسم کے اسلوبِ کتابت کے کچھ نقوش کچی مٹی پر بالترتیب منقش کر کے آگ میں پکائے اور پھر زیر زمین دفن کر دیئے۔ زمانہ دراز کے بعد حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب ہنگامہ طوفان بپا ہوا تو یہ خشتی کتابت طوفانِ نوح میں غرق ہو گئے۔ جب سفینہ نوح ساحل جودی پر صحیح سلامت پہنچا، لوگ اُترے اور اہستہ آہستہ زمین پر چھا گئے۔ ان زمین دوز خطوں میں سے جس قوم کو جو ملا اس نے اپنے اپنے رسم الخط کو پہچانا اور اختیار کیا اور اسی انداز سے لکھنا شروع کر دیا۔''[56]

2۔ ''ارژنگ چین'' کے مصنف نے حضرت ادریس علیہ اسلام کو موجد خط قرار دیا۔[57]

3۔ جبکہ ایک دوسری روایت رسم الخط کے متعلق صاحبِ فتوح البلدان نے بڑی وثوق سے بیان فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''عربی رسم الخط کے موجد قبیلہ طے میں سے تین آدمی مرامر بن مرّہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ ہیں۔ یہ لوگ سر زمینِ انبار (عراق) میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے مختلف حروف کے نقوش ایجاد کئے اور ان سے یہ فن اہل انبار نے سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ حتی کہ اہل حیرہ (قدیم نام کوفہ) نے ان لوگوں سے یہ فن حاصل کیا اور ان سے بشر بن عبدالملک حاکم دومتہ الجندل نے اخذ کیا اور بشر جب مکہ معظمہ آیا تو اُس سے ابوسفیان بن امیہ بن عبد الشمس اور ابو قیس بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب نے تعلیم حاصل کی۔ پھر یہ تینوں شخص بسلسلہ تجارت طائف گئے تو غیلان بن سلمۃ الثقفی نے بھی ان لوگوں سے سیکھا اور اسی طرح دیگر مقامات کے اشخاص نے سیکھا۔''[58]

4۔ عربی رسم الخط کی ایجاد کے بارے میں ایک اور روایت ابن ندیم کی ہے وہ ہشام کلبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

''عربی خط کے اولین موجد عرب عاربہ کے کچھ لوگ تھے جنھوں نے عدنان بن اڈ کے ہاں قیام کیا۔ ابنِ کوفی کی تحریر کے مطابق ان کے نام ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، صعفص، قریسات تھے۔ ان اشکال واعراب کی کتابت کا انداز انھوں نے اپنے ناموں کے مطابق مقرر کیا پھر ان کے علم ومطالعہ میں وہ حروف آئے جو ان کے ناموں میں موجود نہ تھے مثلاً ثا، خا، ذال، شین، غین وغیرہ ان کا نام انھوں نے روادف قرار دیا''۔[59]

5۔ جبکہ بعض روایتوں میں ہے کہ مدین[60] کے بادشاہوں کے یہ نام ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں ہلاک ہوئے۔ انھوں نے وضع کیے ہیں۔''[61]

6۔ایک اور روایت جوابنِ ندیم نے بیان کی ہے کہ :''زبانِ عربی حمیر، طسم، جدیس، ارم، حویل کی زبان تھی جو عرب عاربہ تھے۔حضرت اسماعیلؑ نے جب حرم میں سکونت اختیاراور پلے بڑھے، توقبیلہ جرہم میں جو خاندانِ معاویہ بن مضاض جرہمی کی ایک شاخ تھی، شادی کی۔چنانچہ یہ لوگ ان کی اولاد کے ننھیال ٹھہرے۔اس رشتہ و تعلق کی بناءپر حضرت اسماعیلؑ نے اس قبیلہ کی زبان سیکھی۔اب گذرتے زمانہ کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے ضروریات پیش آتی اور ظاہر ہوتی رہیں۔حالات کے مطابق ان کی اولاد نے بات سے بات نکالی اور بہت سی چیزوں کے نام وضع کرلیئے اور پھراس طرح جب دائرہ کلام وسیع ہوگیاتوقبیلہ عدنان میں عمدہ اور فصیح شعر کہنے کارواج ہوا، جومعدّ بن عدنان کے بعد مزید ترقی کرگیا۔''[62]

7۔ابنِ ندیم مزید کہتے ہیں کہ اس بات کی تصدیق مکحول کی اس روایت سے ہوتی ہے، جو وہ رواۃ سے بیان کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:''پہلا گروہ جس نے عربی خط وضع کیا۔نفیس، نضر، تیمااور دومہ پر مشتمل ہے، جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے۔انھوں نے اسے تفصیلی شکل میں وضع کیا۔اور قادوراوربنت بن ہمیسع بن قادورنے اسے پھیلایا۔اور عام کیا''۔وہ مزید کہتے ہیں کہ ''انبار کے چندافراد نے جو قبیلہ ایاد[63]قدیم سے تعلق رکھتے تھے۔حروفِ الف، ب، ت، ث وضع کیے اور عربوں نے اسی سے سب کچھ سیکھا''[64]

بہرکیف عربی رسم خط کی ابتدا کے متعلق مذکورالصدور روایات اوراس قسم کی روایتیں جن کو طوالت کے باعث یہاں رقم نہیں کیا گیا ہے، روایت واقوال کی حدتک ہی صحیح تسلیم کی جاسکتی ہیں۔مگر کسی کو قولِ فیصل قرار نہیں دیا جاسکتا۔یہ ہماراموضوع بھی نہیں ہے۔

عربی خط کا اشتقاق

عربی خط کے ماخذ اور سرچشمے کے متعلق قدیم علماء، جدید محققین اور متشرقین کے درمیان اختلاف پایاجاتاہے۔تاہم یہاں تک توسب متفق ہیں کہ خط مصری قدیم سے خط فنیقی اوراس سے مسند اور آرامی کا اشتقاق ہوا۔مگراس کے بعد رواۃ عرب اور مغربی مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔انگریز مورخین کی رائے کے مطابق خط فنیقی[65] سے چار خط نکلے۔

1۔خط یونانی[66]جس سے تمام مغربی خطوط مشتق ہوئے۔

2۔خط عبری قدیم[67]جس سے خط سامری نکلا۔

3۔مسند حمیری[68]جس سے خط حبشی[69] نکلا۔

4۔الارامی[70]جس سے چھ خطوط ہندی، پہلوی[71]، عبری[72]، تدمری[73]، سریانی[74]اور نبطی[75] نکلے۔

ان کا کہنا ہے کہ خط عربی کی دواقسام ہیں کوفی اور نسخی۔کوفی سریانی سطرنجیلی سے اور نسخی، خط نبطی سے ماخوذ ہے[76] جبکہ عرب راویوں کی رائے میں خط عربی کی قدیم ترین شکل نسخی ہی ہے اور کوفی بھی اس کی مہذب صورت ہے۔ان کی رائے یہ ہے کہ نسخی یاحجازی اہل حیرہ یاانبار سے ماخوذ ہے جوانھوں نے اہل نبط سے اورانھوں نے مسند سے اخذ کیا[77] ماہرین تحقیقات بھی اس بات کااظہار کرتے ہیں کہ خط نبطی حیرہ میں پہلے پہنچ گیا تھا اور جب وہاں سے یمن پہنچاتواس میں مہذب خط کے تمام اوصاف آچکے تھے۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ :

''نبطی خط جوخط حمیری کہلایاتبابعہ کے زمانے میں اپنے کمال کو پہنچ گیا تھااور بے حد عمدہ، خوبصورت بن گیا تھایہ خط وہاں سے منتقل ہو کر حیرہ

آیا۔ کیونکہ حیرہ میں آلِ منذر کی حکومت تھی''۔[78] عرب کی تاریخ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب اقوام اور خصوصاً انبار، حیرہ اور غسان کی ریاستوں اور شہروں میں ادب کا بڑا چرچا تھا اور خطاطی کا فن پوری طرح پھیل گیا تھا اور ان کا یہ خط نبطیوں کے خط سے مماثلت رکھتا تھا۔ گو یہ خط نبطی تھا مگر مقامی رنگ کی آمیزش سے حیرہ میں خط حیری کہلایا۔[79] پھر حیرہ سے قریش وطائف نے خط سیکھا۔ کہتے ہیں کہ: مکہ کے پہلے افراد جنھوں نے اہل حیرہ سے عربی خط سیکھا وہ سفیان بن امیہ اور ابو قیس بن عبد مناف ہیں دونوں نے بشر بن عبدالملک سے رسم خط سیکھا، جو اسے سیکھ کر مکہ لے آئے جہاں یہ خط کوفی کے نام سے رائج ہوا اور اسلام کی آمد اور کوفہ کی مناسبت سے کوفی کہلایا۔[80] ابن ندیم نے الفہرست میں اس عربی خط کو مکی خط کا نام دیا ہے۔[81]

عربی خط کے جو قدیم نمونے دستیاب ہوئے ہیں ان سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عربی خط300ء میں پوری طرح رواج پا چکا تھا۔ ابتداء میں نبطیوں کی طرح یہ رسم الخط بھی اعراب، او قاف اور نقاط کے بغیر تھا۔[82] مگر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آتی گئی۔

قدیم جاہلیت میں عربی خط

اگرچہ اسلام سے پہلے سرزمین عرب مختلف تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہ چکی تھی۔ جغرافیائی حیثیت سے عرب کے دونوں خطے جنوبی اور شمالی عرب مدنیت وحضارت کی ضیاء گستری سے محروم نہ تھے۔ بلکہ عرب کے یہ دونوں حصّے اسلام سے پہلے مختلف اوقات میں تمدن وتہذیب کا گہوارہ رہے چکے تھے۔[83] اس بناء پر کتابت کا طریقہ جو تمدن کا ضروری عنصر ہے، نہایت قدیم زمانہ سے یہاں رائج ہو چکا تھا۔ عربوں میں جو لوگ ان حکومتوں سے رابطے میں تھے وہ کتابت اور دیگر فنون سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ تاہم ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ تاریخ میں اس عہد کے کاتبوں میں لقط بن زید العباری اور اس کے بیٹے کا پتہ چلتا ہے جو کسریٰ کے ہاں کتابت و ترجمانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔[84] لیکن عربوں کی ایک بڑی تعداد میں تہذیب و تعلیم نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ لہٰذا عربوں میں کتابت نایاب تھی بیشتر عربی امّی تھے۔

کیونکہ اسلام سے قبل عرب چونکہ بدویانہ طرز زندگی کے عادی تھے اور ان کا طریق حیات ہی خط کے پھیلاؤ اور ارتقاء کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ قبائل میں بٹے ہونے کے سبب ایک دوسرے کے تہذیب وتمدن اور علمی ترقیوں سے واقف نہیں تھے۔ اور انہیں خط و کتاب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔[85] ابن خلدون بھی ان بدوی عرب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کتابت بھی ایک پیشہ ہے۔ اور پیشے آبادی کے تابع ہوتے ہیں اسی لیے آپ اکثر دیہاتیوں کو ان پڑھ پائیں گے۔ اگر کوئی دیہاتی لکھنا پڑھنا سیکھ بھی لے تو اس کا خط بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ اس کا پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے۔ آپ انتہائی آباد شہروں میں شہریوں کا خط عمدہ، خوبصورت اور مستحکم پائیں گے۔[86]

عربوں کے ہاں علمی ترقی صرف زبان وبیان کی حد تک محدود تھی۔ اور زمانہ قدیم سے شعر وشاعری ان کے ہاں اظہار تفاخر، عشق ومحبت اور ہجو ومدح کی صورت میں رائج تھی۔ علاوہ ازیں خطابت نے بھی اس دور میں ایک ممتاز فن کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ جسے زیادہ تر معرکوں میں جنگجو افراد کو جنگ پر ابھارنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔[87]

قبل از اسلام کتابت کے بھی واضح نشانات ملتے ہیں۔ جب کوئی عمدہ قصیدہ یا غزل کہی جاتی تو اسے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا۔ اس دور میں سات نظمیں جو کعبہ کی زینت نہیں۔ انہیں ''سبع معلقات (عرب کے سات مشہور قصائد)'' کہا جاتا ہے۔[88] اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ

اس دور میں بھی کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو عربی خط و کتابت کی صلاحیت رکھتے تھے اور یقیناً جو کچھ لکھا جاتا تھا اسے پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والے بھی موجود تھے انہی لوگوں کی وجہ سے قصائد تحریر کرنے اور انہیں آویزاں کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔[89]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ عربوں کے نزدیک بہترین کلام وہ ہے جو مختصر الفاظ اور مختصر عبارت میں مقصد کو پوری طرح ادا کر دے۔ان کے یہاں بلاغت کا دارو مدار بھی اسی پر تھا۔ باہمی خط و کتابت جو قوموں کی ناگذیر ضروریات میں سے ہے۔چونکہ تمام عربوں میں کتابت (مروج) نہ تھی۔اس لیے کہ وہ اس زمانے میں بدویت سے زیادہ قریب تھے۔اسی لیے ان میں کتابت کے پھیل جانے سے پہلے ان کے درمیان مراسلات تحریری طور پر بہت کم تھی۔ عرب قاصدوں کو بھیج کر خط و کتابت سے مستغنی ہو جاتے تھے اور یہ قاصد ان کے مقاصد کو ان لوگوں تک پہنچا دیتے تھے جن تک پہنچانا ان کا مقصد ہوتا تھا اگر کوئی پیغام ایسا ہوتا جس کا مخفی رکھنا ضروری ہوتا تو وہ پیغام کو معّمے کی صورت میں ارسال کرتے۔ بعض اوقات عرب شعر لکھتے جس سے ان کا مقصد ادا ہو جاتا کیونکہ اس زمانے میں شعر ہی عربوں کا دیوان تھا۔[90]

زمانہ جاہلیت کے آخری دور میں خط کچھ عام ہوا۔ عربوں کے اسلوب میں تبدیلی آگئی اور خط و کتابت کے سلسلے میں ان کی رسم بدل گئی۔ چنانچہ وہ اپنے خطوط میں اپنے خداؤں کے نام سے ابتدا کرتے مثلاً لات اور عزیٰ۔ بعد ازاں پھر اپنا مقصد بیان کرتے قریش جاہلیت میں "باسمک اللھم" وغیرہ لکھا کرتے تھے۔[91] مگر مجموعی طور پر اس عہد میں کاتبین کی تعداد بہت کم تھی۔ خط کو اصلی فروغ زمانہ اسلام ہی میں نصیب ہوا۔ مکہ میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت ابو عبیدہ، حضرت جہیم بن الصلّت کتابت سے واقف تھے[92]۔

جبکہ مدینہ میں علم کتابت مکہ سے پہلے داخل ہوا اور اس دور میں وہاں کے لوگ مکہ والوں سے زیادہ علم کتابت جانتے تھے۔ چونکہ اہل مدینہ نے کسی قدر تہذیب و تمدن کی تعلیم ان یہودیوں سے حاصل کی تھی جو غیر ممالک سے ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آن بسے تھے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ جب مدینہ پہنچے تو ایک یہودی صاحبِ علم کا پتہ چلتا ہے جو وہاں کے بچوں کو کتابت سکھایا کرتا تھا۔[93] غرض ان تمام باتوں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ زبان کی کتابت یا رسم الخط کے بارے میں عربوں نے خود کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا تھا بلکہ ان لوگوں نے بیرونِ عرب کے لوگوں سے استفادہ کیا ہوگا کیونکہ شمال اور جنوب کی طرف کچھ مہذب قومیں اُس وقت موجود تھیں جن سے عربوں کے تجارتی روابط تھے۔ مثلاً شمال کے نبطی جو نبطی رسم الخط استعمال کرتے تھے اور یمن کے حمیری قبائل جن کا خط مسند (حمیری) تھا جب عربوں کی آمد ورفت ان علاقوں میں ہوئی تو وہاں سے رسم الخط سیکھ کر کچھ لوگوں نے عرب میں پھیلا دیا۔ جو عربی خط کہلایا یہ نبطی سے ماخوذ تھا اور زمانہ جاہلیت میں خط حیری کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس کی جائے پیدائش سرزمینِ حیرہ وانبار ہیں۔ طلوعِ اسلام کے بعد جب کوفہ ان دونوں مقامات کے درمیان بسایا گیا تو اس کی نسبت سے یہ خط کوفی کہلایا۔[94] پھر عربی خط کے علاوہ یہاں مختلف خطوں کے جاننے والے بھی پائے جاتے تھے کیونکہ مکہ جو ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔ ہمسایہ ممالک کے لوگ تجارت کی غرض سے یہاں آتے تھے۔ مختلف نسلوں، حبشی، ایرانی، رومی اور مختلف مذہبوں یہودی، عیسائی اور مجوسی لوگ یہاں پائے جاتے تھے۔ بڑی حد تک اس دور میں بھی یہ ایک بین الاقوامی شہر تھا۔ اس وجہ سے مکہ میں عربی خط کے علاوہ حبشی، پہلوی، عبرانی اور رومی خطوں کے جاننے والے لوگ ملتے ہیں۔ دور جاہلیت کے مکے میں ورقہ بن نوفل کا بھی نام ملتا ہے جو ام المومنین حضرت خدیجہ الکبری کے ماموں زاد بھائی تھے اور یہ تورات اور انجیل کے عالم تھے یعنی وہ عبرانی اور سریانی زبانیں جانتے تھے[95] انھوں نے زمانہ جاہلیت میں توریت اور انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا اور مکہ میں عربی خط بھی ورقہ بن نوفل نے رائج کیا تھا[96] غالباً یہ مکے والے ہی تھے۔ جنھوں

نے عربی زبان کو سب سے پہلے ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کی تھی۔[97] تاہم ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جو عربی خط کو جاننے والے تھے۔اصل میں عربی خط کی ترقی صحیح معنوں میں ظہور اسلام سے شروع ہوتی ہے۔

دور رسالت میں عربی خط

نزول اسلام کے وقت تک عربی زبان مختلف ارتقائی منازل سے گذر کر ایک خاص صورت اختیار کر چکی تھی۔اسے خط ''حمیری'' اور پھر ''حیری'' (جسے کوفی قدیم کہا جاتا تھا) میں لکھا جاتا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت عربی خط کے جاننے والے چند ایک افراد تھے جو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے یعنی مکے جیسے شہر میں کل ۷ اصحابِ فن کتابت سے واقف تھے۔[98] خط کی اصل نشو ونما زمانہ اسلام میں ہوئی۔جب وحی لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو عرب فن کتابت سے پوری طرح آشنا ہوئے اور اس کی اہمیت سے بھی واقف ہوئے۔ظہور اسلام کے وقت چونکہ مکہ میں خط حیری رائج تھا۔اسی لیے اسلام کی ابتدائی دور کی خط وکتابت اسی خط میں ہوئی۔عربی خط وکتابت کی ترقی کا اصل عمل ظہور اسلام سے شروع ہوا۔جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو وہ پڑھنے سے متعلق تھی۔[99] اس طرح رسول اکرم ﷺ کی سرپرستی میں عربی خط نے نئے اور تابناک دور کا آغاز کیا۔جس وقت وحی الٰہی کا نزول ہوتا، حضور اکرم ﷺ، ابی بن کعب الانصاری جو پہلے کاتب وحی تھے ان کو طلب کر کے کتابت کروالیتے۔مورخ بلاذری کے مطابق ابی بن کعب الانصاری نے سب سے اوّل پیش گاہ نبوی میں کتابت انجام دی۔اگر وہ موجود نہ ہوتے تو زید بن ثابت الانصاری کو طلب کر کے کتابت کروالیتے۔[100] ان دو صحابہ کے علاوہ متعدد صحابہ کرام نے بھی کتابت کے فرائض سرانجام دیئے۔[101] اس طرح اس انقلاب انگیز تعلیم کا آغاز نزول وحی کے ساتھ شروع ہوا اور وحی الٰہی کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرنے کا اہتمام روزِ اوّل سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔مکہ میں اس وقت کئی خط رائج تھے۔آپ نے عربی خط یعنی کوفی قدیم کو اختیار فرمایا۔اس طرح عربی خط اسلام کا خط بن گیا۔[102]

جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو حضور اکرم ﷺ نے خط وکتابت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔چنانچہ جنگ بدر میں جو قیدی اور غلام گرفتار ہو کر آئے تھے ان کے لیے پیغمبر اسلام کی ہدایت تھی کہ جو ان میں تحریر کا فن جانتے ہیں وہ دس دس طالب علموں کو کتابت سکھا دیں اور رہائی حاصل کر لیں۔دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی کہ دولت حاصل کرنے کے معاملے میں اشاعتِ علم کو ترجیح دی گئی ہو۔اس طرح بڑی تیزی سے فن کتابت جاننے والے سارے عرب میں پیدا ہو گئے۔سارے عرب میں عربی خط پھیل گیا۔عربی خط کی نشو ونما کا عمل چونکہ مکہ سے شروع ہوا۔اس لیے مکی کہلایا۔اب مدینہ میں مدنی کہلانے لگا۔[103]

اسلام کے جو احسانات علم وفن پر ہیں۔ان میں ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ خط وخطاطی کی تعلیم میں ابتدا سے اسلام نے بڑی حمایت کی ہے۔نبوت کے بعد ۶۱۰ء میں وحی کا سلسلہ چل نکلا۔اس وقت کوفی قدیم (حیری) میں کتابت ہوئی تھی۔حضور اکرم ﷺ نے جو فرامین فرماں روایانِ عجم اور عاملِ مصر وغیرہ کو بھیجے تھے۔وہ بھی اسی خط کوفی میں تھے۔یہاں یہ واضح رہے کہ یہ اصلاحی خط کوفی نہ تھا۔جس کو عام طور پر کوفی جدید سمجھا جاتا تھا۔بلکہ محض وہ خط تھا۔جس کو اہلِ یمن اور اہل مکہ نے حیرہ والوں سے حاصل کیا تھا۔اس عہد اور اس خط تک نقاط، اعراب، علامات اور او قاف کا دستور بھی وضع نہیں ہوا تھا اور الف بھی سیدھا نہیں بنا تھا بلکہ نیچے کا حصّہ مڑا ہوا تھا۔[104] چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اُن کے صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین تک کی تمام تحریریں اسی خط حیری یا کوفی خط میں ہیں۔لہٰذا حیری کو جدید کوفی

سمجھنااور یہ باور کرنا کہ رسول اللہ ﷺ اور چاروں صحابہ کرام اور حضرت حسن اور حضرت حسین کے فرامین یا نسخہ ہائے قرآن مجید جو اُن کے زمانے میں لکھے گئے جدید کوفی میں تھے، یہ سراسر غلطی ہوگی۔ کیونکہ ان کتباتِ مقدس کی روشنی میں جدید خط کوفی اور خط حیری کا فرق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔[105]

بہر حال ظہور اسلام کے وقت تک خط کی کوئی اہمیت نہ تھی مگر اغاز کے بعد عربی خط اتنی جلدی اس مقام اور مرتبہ تک پہنچ گیا کہ خط میں نہ صرف حسن پیدا ہوا۔ بلکہ رسم الخط میں بھی انقلابی تبدیلیاں ہوئیں۔ اس کا سبب شاید یہی تھا کہ قرآنی آیات کو حکم الٰہی سمجھتے ہوئے فن کاروں نے اپنا سارا زورِ قلم انہیں سنوارنے اور لکھنے میں صرف کر دیا۔ پھر چونکہ حضور اکرم ﷺ نے تصویر کشی کی ممانعت کر دی تھی اور حسنِ تحریر پر زور دیا تھا۔ اس لیے " ان الله جميل ويحب الجمال "(مسلم، ج1)(اللہ خود بھی حسین ہے اور حسن و جمال کو پسند کرتا ہے) کے مصداق اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی رضا سمجھ کر خطاطوں نے اس فن کی ترقی کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی سرپرستی اور صحابہ کے خلوص اور لگن کی وجہ سے عربی خط ایک زندہ و جاوید خط بن کر ابھر[106] اور مسلمانوں نے اس میں وہ تنوع، خوبصورتی اور رنگارنگی پیدا کی کہ دنیائے جمال حیرت زدہ رہ گئی۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی خط کی ترقی، توسیع اور تحسین قرآن مجید کا فیضان ہے۔

عربی خط عہد خلافت راشدہ میں

دور رسالت اور دور صحابہ میں ایک متعین رسم الخط رواج پذیر ہو گیا تھا۔ جس میں قرآن مجید، معاہدے اور وثیقہ جات لکھے جاتے تھے۔ خط و کتابت میں بھی یہی طریقِ تحریر مستعمل تھا۔ یہ رسم الخط نہ صرف مکہ، مدینہ یا ملک عرب میں تھا بلکہ عجمی ممالک میں بھی مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ ساتھ پھیل گیا۔ فتوحات کے نتیجے میں نئے نئے ممالک اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے۔ فوجی ضرورت کے تحت خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب نے ایران کی سرحد پر دو چھاونیاں کوفہ ۱۷ھ اور بصرہ ۱۴ھ میں آباد کیں۔ صحابہ کرام اور مختلف عرب قبائل یہاں آکر اباد ہو گئے۔ سب سے پہلے عربی خط نے بصرہ میں ترقی کی۔ بعض کتابوں میں خط کوفی کی طرح خط بصری کا نام بھی ملتا ہے۔ وہاں کے ایک کاتب امام حسن بصری بہت مشہور ہیں جو حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ تصوف کا سلسلہ ان ہی سے چلا ہے۔ وہ بڑے کاتبوں میں شمار ہوتے ہیں اور شروع میں امیر معاویہ کے زمانے میں بصرہ کے حاکم ربیع بن زیاد کے کاتب رہے ہیں وہ خط کا ابتدائی دور تھا۔[107]

عہد خلافت راشدہ میں فنِ کتابت سے واقف ایک کثیر جماعت تھی جن میں بعض صاحبان خوشنویس بھی کہے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حضرت عثمان غنی جو کاتبِ وحی بھی تھے۔ کاتبِ قرآن مجید اور حضرت ابو بکر صدیق کے میر منشی بھی۔ حضرت علی مرتضیٰ بھی کاتب وحی تھے۔ صلح نامہ حدیبیہ آپ ہی کا شاہکار ہے۔[108] اسی طرح حضرت امام حسن اور حسین کے خط بھی نہایت پاکیزہ تھے اور حضرت عبداللہ ابن عمر کی شہرت تو کوفہ، شام تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت عمر فاروق بھی اچھے کاتب تھے اور بہت زود نویس بھی۔ اکثر ان خواتین کے خط، جن کے مرد جہاد پر گئے ہوتے اور خط لکھنے والا نہ ہوتا تھا، خود اُن کے گھر جا کر لکھ آتے تھے۔ آپ کے دور خلافت میں منشیوں کے دو مستقل عہدے تھے جو حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت تک قائم رہے اور اُن پر مختلف خطاط مقرر ہوتے رہے۔ ایک کا تعلق مالیات سے تھا اور دوسرے کا افواج سے تعلق تھا۔ چونکہ اُس زمانے میں کاغذ کمیاب تھا۔ اس لیے جھلی، چمڑہ، ہڈی اور ٹھیکری کے علاوہ کھجور کے پتے اور چھال سے بھی کاغذ کا کام لیا جاتا تھا۔[109]

تاریخی اعتبار سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اسلامی خط میں حضرت عثمان غنی کے دور تک کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ کی

زندگی میں بھی قرآن چمڑے کے ٹکڑوں، پتھروں، لکڑی کی تختیوں اور کھجور کی چھال پر لکھا جاتا تھا۔اس وقت تک کسی کو بھی قرآن جمع کرنے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ جنگ یمامہ جو ۱۱ھ میں حضرت ابو بکر صدیق کے دور خلافت میں لڑی گئی۔اس میں ۷۰ کے قریب حفاظِ قرآن کے شہید ہونے کی وجہ سے حضرت عمر نے حضرت ابو بکر صدیق کو قرآن لکھوانے کا مشورہ دیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت زید بن ثابت کو حضرت عمر کی نگرانی میں قرآن لکھنے کا حکم دیا۔ یہ مصحف حضرت عمر کے بعد حضور اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ اور حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ کے پاس محفوظ تھا۔اس مصحف کو لے کر حضرت عثمان نے دوبارہ زید بن ثابت سے قرآن کی کتابت کرائی۔قرآن کے تیس اجزاء مقرر کرائے اور سورتوں کے نام و نشانات وضع کرائے۔[110] یہ قرآن مجید کوفی قدیم (خط حیری) میں لکھے گئے اس دور کے خطاطوں میں عبداللہ بن خلف الخزائی، حنظلہ بن ربیع، مروان بن حکم، ابو عطفان بن عوف، سعید بن حمران بن ہمدانی، عبداللہ بن ابی رافع، ابو حبیرہ بن ضحاک کے نام ملتے ہیں۔[111]

حضرت علی کے دور تک قرآنی اور دوسری کتابت اعراب و نقاط کے بغیر کی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت علی نے اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کو زیر، زبر اور پیش کی غلطیاں کرتے دیکھ کر اپنے شاگرد ابوالاسود الدوئلی جو فضلائے عرب میں سے تھا، اس کو زبان و تحریر اور خط کی اصلاح پر مامور کیا۔اس نے حروف کی تشخیص کے لیے نقاط ایجاد کیے جو صرف اعراب کا کام انجام دیتے تھے ابوالاسواد دوئلی نے پہلی بار عربی صرف و نحو کے قواعد بنائے۔اس طرح اس کے ایجاد کیے ہوئے نقاط کے بعد صحیح تلفظ ادا کرنے میں آسانی ہو گئی اور عرصہ دراز تک یہ نقطے اعراب کا کام انجام دیتے رہے۔[112]

اس طرح مسلمانوں کے ہاں عربی خط کی ترقی اور پیش رفت دیگر علوم کی طرح قرآن مجید کے حوالے سے ہوئی اور قرآن وحدیث کی شکل میں عربی خط ہر علاقے میں پہنچ گیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام مفتوحہ علاقوں کی مقامی زبانیں بھی عربی رسم الخط میں تحریر کی جانے لگیں۔ غرض اس ایک کتاب قرآن مجید نے قریش کی زبان عربی کو عالمی زبان بنادیا۔ جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں قرآن مجید بھی پہنچ گئے۔اور وہاں عربی خط بھی پہنچ گیا۔اس ایک کتاب نے مدنی خط یعنی عربی خط کو عالمی خط بنادیا۔[113]

دورِ اُموی میں عربی خط

خلفائے راشدین کے عہد میں فنِ کتابت نے رفتہ رفتہ عمدگی اور استحکام حاصل کر لیا تھا۔ خط نے کوفہ اور بصرہ میں رہ کر اچھی خاصی ترقی حاصل کر لی تھی۔تاہم ابھی کمال سے نیچے رہا۔اس زمانے میں کوفی رسم الخط مشہور تھا۔ پھر عربوں کی سلطنت کا دامن وسیع ہوا اور وہ دنیا میں پھیل گئے۔ حتی کہ انھوں نے افریقہ اور اندلس فتح کر لیا۔اُموی خلیفہ عبدالملک کا دورِ حکومت فتوحات اور اصلاحات کے لحاظ سے شاندار رہا ہے۔ عبدالملک کے زمانے میں عربی زبان کے حوالے سے سب سے بڑی اصلاح یہ ہوئی کہ عربی کو دفتری زبان قرار دیا گیا اور ساری مملکتِ اسلامیہ میں عربی زبان اور عربی خط کو نافذ کر دیا گیا۔ تمام سرکاری مراسلات عربی خط میں ہونے لگی اور باہمی میل جول، امور مملکت اور دوسری ضرورتوں کے لیے بھی عربی کو اس کے صحیح لہجہ اور تلفظ میں پڑھنا ضروری سمجھا گیا اور عربی کو دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔[114] اسلام کے دور دراز ممالک تک پھیل جانے کی وجہ سے لہجہ کے اختلاف وغیرہ کے باعث خود عربوں کو اور غیر زبان ہونے کے باعث عجمیوں کو قرآن شریف صحیح پڑھنے میں دشواریاں پیش آئیں تو خلیفہ عبدالملک نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا کہ

ابوالاسود دوئیلی کی مجوزہ علامتیں ناکافی ہیں اس لیے علماء وفضلاء کے مشورہ سے ان میں مزید ترمیم کی جائے۔ حجاج بن یوسف نے دوعالموں نصر بن عاصم اور یحییٰ کو اس کام پر مامور کیا۔ نصر بن عاصم نے متشابہ حروف میں تمیز کے لیے نقاط وضع کیے۔ مزید براں زیر، زبر اور پیش کے قواعد مرتب کیے مثلاً پہلے ب، ت، یا، ج، ح، خ کے مابین کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ انہیں عربی رسم الخط جاننے والا تو بخوبی پڑھ سکتا تھا مگر عجمی کے لیے اس کا پڑھنا مشکل تھا۔ اعراب کی ذرا سی غلطی سے معنی تبدیل ہو جاتے۔ چنانچہ نصر اور یحییٰ نے حروف پر پہچان کے لیے ایک، دو، تین نقطے تجویز کیے۔ مگر اعرابی نقاط کو بھی برقرار رکھا۔ فرق صرف یہ کیا گیا کہ اعراب کے لیے سیاہ نقطے اور حروف کی تشخیص کے لیے سرخ لگائے گئے۔[115]

حال کے زمانے تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہم شکل حرفوں (ب، ت، ث، ج، ح، خ وغیرہ) میں امتیاز کے لیے نقطوں کا استعمال خاصی دیر سے ہوا (یعنی عبدالملک کے دور میں) لیکن طائف میں حضرت معاویہ کا جو کتبہ ایک تالاب پر ملا ہے۔ (اور جسے امریکہ میں مائلز Miles نے شائع کیا ہے) اس کے متعدد حرفوں پر نقطے پائے گئے۔[116] بہر حال اعراب اور نقاط کا یہ نظام نصف صدی تک رائج رہا۔ بعدازاں خلیل بن احمد بصری نحوی واضع علم عروض نے اس نظام میں مزید اصلاح کی اور رنگین نقاط کی جگہ اعراب کی موجودہ علامات زبر، زیر اور پیش وضع کیں۔ جو اب تک رائج ہیں۔[117] جس سے مسلمانوں کو قرآن پڑھنے میں آسانی ہوگئی۔ مسلمان فتوحات کے نتیجے میں جہاں گئے عربی زبان اور عربی رسم الخط کو ہر جگہ اپنے ساتھ رکھا اور اسے رائج کیا۔ مسلمانوں نے مفتوحہ علاقوں میں قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی علوم کی اشاعت لیے بھرپور کوششیں کیں۔ اس میں شک نہیں کہ فن کتابت کو عروج تک لے جانے میں قرآن مجید نے بنیادی کردار ادا کیا۔ مسلمان فن کاروں نے کتابتِ قرآن کے فریضے کو مذہبی لگاؤ اور خلوص سے انجام دیا۔[118] اس دور تک خط کوفی بھی روایتی قاعدوں اور اندازوں سے نکل کر ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے تزئین وارائش کی نئی راہوں پر چل نکلا اور کھجور، پتھر، لکڑی اور چمڑے سے آگے نکل کر کاغذ پر اپنے نقوش بکھیرنے لگا تھا۔[119]

عہد بنوامیہ میں قطبہ اور خالد بن ابی الہیاج نہایت مشہور کاتب تھے یہ دونوں ولید بن عبدالملک کے معاصر ہیں اور خالد، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک حیات تھا۔ 96ھ میں خالد بن ابی الہیاج کو خط کوفی کا استاد تسلیم کیا جاتا تھا۔ خالد نے خط کوفی میں ولید کی تعمیر کردہ مسجد نبوی میں محراب پر آب زر سے سورۂ والشمس لکھی۔ خالد بن الہیاج، ولید بن عبدالملک کا کاتبِ خاص تھا۔ اسے قرآن مجید کو سب سے پہلے خوبصورت انداز میں لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ لیکن مسجد نبوی کی بار بار تعمیر کی وجہ سے اس کی کتابت محفوظ نہ رہ سکیں۔ اس نے ایک خوبصورت تحریر میں قرآن مجید لکھ کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا تو آپ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے اور مصحف کو چوم کر خالد کو واپس کر دیا۔ کیونکہ وہ اس کا قیمتی ہدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے۔[120]

اموی دور میں ابو یحییٰ، مالک بن دینار، سامہ بن لوی اور قطبہ المحرر نے فنِ کتابت میں رنگارنگی پیدا کی۔ کہا جاتا ہے کہ بنوامیہ کے دور میں جس نے سب سے پہلے کتابت کی طرح ڈالی وہ قطبہ ہے۔ قطبہ نے خط کوفی میں چار قلم یا اسلوبِ تحریر استعمال کیے۔ جو ایک دوسرے سے ماخوذ تھے مگر وہ کوئی علیحدہ خط ایجاد نہ کر سکا۔[121] نیز بنی امیہ کے آخری فرمانروا مروان الحمار بن محمد بن مروان کا میر منشی عبدالحمید بن یحییٰ بن سعید[122] بھی خط کوفی کا بے نظیر خوش نویس تھا۔ درحقیقت یہ عہد خط کی ترقی وترویج اور خوبی ونفاست کا بہترین زمانہ تھا۔ اس کے لکھنے اور پڑھنے والے دوسرے ممالک تک میں بکثرت پیدا ہو گئے تھے۔[123] لیکن اس کے ساتھ ساتھ کاتبوں کا ایک طبقہ بھی پیدا ہو گیا۔ جنہوں نے کتابت میں جدتیں اختیار کرنا شروع کیں۔ اس جذبہ نے کاتبوں کو تحسینِ خط اور تزئین کتابت کی طرف مائل کر دیا یہاں تک کہ عباسیوں کے عہد تک آتے آتے کئی

خوبصورت خط کاتبوں نے اختراع کیے۔

یہاں تک کہ عہد بنوامیہ کے آخر تک خط، کتابت سے نکل کر خطاطی (الفاظ کی حسین تحریر) کا روپ دھار چکا تھا۔ آرائشی خطاطی کا آغاز ہوا۔ خطاطی مذہبی فریضے سے آگے نکل کر فنونِ لطیفہ کا جزو بننے لگی۔ خوبصورت خطاطی اور مصوری سے مساجد و عمارات کو سجایا جانے لگا۔[124]

گو کہ خط کوفی صدیوں تک عالم اسلام کا مقبول خط رہا۔ لیکن جب خط نسخ میدان میں آگیا تب اس کی مقبولیت میں کمی آنا شروع ہوگئی۔ پانچویں صدی ہجری سے خط کوفی روبہ زوال نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا کہ جب خط کوفی عام خط کی حیثیت سے عالم مشرق سے ختم ہوگیا اور دوسرے خط کو غلبہ اس قدر ہوگیا تھا کہ خط کوفی کی حیثیت ایک گم شدہ خط کی سی ہوگئی۔[125] لیکن بہر حال اس کی اہمیت اپنی جگہ قائم رہی۔

غرض یہ تھا عربی خط کا سفر جو اسلام سے شروع ہوتا ہے اور یہی اسلام کی وحی الٰہی کا حامل اور اس کا ترجمان ہے۔ مذہبی حیثیت کے علاوہ قومی اور علمی حیثیت سے بھی عربی زبان کی اپنی جگہ اہمیت ہے، جس سے ہم بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ ہمارے اسلاف کا تمام تر علمی سرمایہ اسی زبان میں ہے ۔ عربی زبان کئی صدی تک ساری مہذب دنیا میں علم و شائستگی اور ترقی پذیر افکار کا ذریعہ رہی ہے۔ نویں اور بارویں صدی عیسوی کے درمیان طب، فلسفہ، تاریخ، مذاھب اور جغرافیہ پر جتنی کتابیں عربی میں لکھی گئیں دنیا کی کسی زبان میں نہیں لکھی گئیں۔ اس کے علاوہ عربی رسم الخط نے اپنے مذہبی عظمت و جلال کے باعث دنیا میں عظیم الشان انقلاب برپا کیا، اس کے اثر سے بہت سے رسوم الخط فنا ہوگئے۔ لیکن عربی زبان آج بھی دنیا کے ایک بڑے خطے پر بولی اور لکھی جاتی ہے جو اس کی عظمت کی واضح دلیل ہے۔

This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حواشی وحوالہ جات

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، خط(لاہور: دانشگاہ پنجاب، طبع اوّل 1973ء)، ج8، ص960۔

[2] جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم ابن منظور، **لسان العرب**، (بیروت: دار الکتب العلمیتہ، 2003ء)، ج7، ص324۔

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، **خط**، ص960۔

[4] امرؤالقیس۔ عرب کے چار بہترین شعرائے جاہلیت میں سے ایک ہے۔ چاروں شعراء میں امرؤالقیس، زھیر، نابغہ اوراعشیٰ شامل ہیں جو عہد جاہلیت کے مشہور شعراء گذرے ہیں۔ رہا یہ اختلاف کہ ان میں سے کون افضل ہے تو یہ اختلاف اب تک چلا آرہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امرؤالقیس بہترین شاعر ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی شہادت کے مطابق یہ امیر الشعراء ہے۔ ایک بار امرؤالقیس کا ذکر اپ کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس شخص کا دنیا میں تو نام ہوگا مگر آخرت میں بالکل فراموش کر دیا جائے گا۔ یہ قیامت کے دن جب آئے گا تو اس کے ہاتھ میں شعراء کا جھنڈا ہوگا اور یہ ان کی قیادت کرتا ہوا انہیں دوزخ میں لے جائے گا۔ محمود شکری آلو سی، **بلوغ الارب**، ترجمہ: ڈاکٹر پیر محمد حسن، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، طبع دوم، 2002ء)، ج4، ص446-447۔

[5] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، **خط**، ص961۔

[6] معین الدین ندوی، **رسم خط کی اجمالی تاریخ**، مشمولہ ماہنامہ معارف، (لاہور: اعظم گڑھ: جولائی 1916)ء، ج1، شمارہ1، ص27۔

[7] القرآن الکریم 3-4۔

[8] سید محمد سلیم، **تاریخ خط وخطاطین**، (کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، 2001ء)، ص26۔

[9] سید یوسف بخاری، **خطاطی اور ہمارا رسم الخط**، (کراچی: ایجوکیشنل پریس، پاکستان چوک، مئی 1959ء)، ص12-13۔

[10] شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری، **خط وخطاطی**، (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ 1961ء)، ص14-15۔

[11] سید محمد سلیم، **تاریخ خط وخطاطین**، ص26۔

[12] ایضاً۔

[13] شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری، **خط وخطاطی**، ص15۔

[14] ایضاً ص10۔

[15] ایضاً ص12-15۔

[16] سید محمد سلیم، **تاریخ خط وخطاطین**، ص26-27۔

[17] ایضاً ص27۔

[18] یضاً۔

[19] محمد ارتقاء الحسن، **خطاطی اسلام کی نظر میں**، (علی گڑھ: مشمولہ: سہ ماہی تحقیقات اسلامی، ادارہ تحقیق و تصنیف، جولائی۔ ستمبر 2004)، ص22۔

[20] سید محمد سلیم، **تاریخ خط وخطاطین**، ص29-30۔

[21] اقبال احمد عمری، **فن خطاطی اور اس کا ارتقائی دور**، مشمولہ: ماہنامہ برہان، (دہلی: ندوۃ المصنفین، دسمبر 1967ء)، ج59، شمارہ6، ص325۔

[22] اردو لغت (تاریخی اصول پر)، **رسالہ تہذیب الاخلاق**، (کراچی: اردو لغت بورڈ، ترقی اردو بورڈ، دسمبر 1987ء)، ج8، ص595۔

[23] علامہ عبدالرحمن بن خلدون، **مقدمہ ابن خلدون**، ترجمہ: مولانا راغب رحمانی دہلوی، (کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار ستمبر 1986ء)، حصہ دوم، ص305-306۔

[24] سید محمد سلیم، **تاریخ خط وخطاطین**، ص28۔

[25] شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری، **خط و خطاطی**، ص13۔

[26] ایضاً ص14۔

[27] سید یوسف بخاری، **خطاطی اور ہمارا رسم الخط**، ص14۔

[28]تیشہ ایک اوزار جس سے پتھر توڑتے، لکڑی کاٹتے اور اینٹ گھڑتے ہیں۔

[29]مثلاً اظہار محبت کے لیئے کبوتر کی شکل، عداوت کے لیئے سانپ، جنگ و جدل کے لیئے شیر اور صلح و سلامتی کے لیئے بکری اور ہرن، خوشی و مسرت کے لیئے طنبورہ بجاتی ہوئی عورت یا ناچتا ہوا مرد، عیاری و جاسوسی کے لیئے گیڈر اور اسی طرح دوسرے معاملات کے لیئے دیگر اشکال تجویز کیں۔ احترام الدین احمد شاغل عثمانی، **صحیفہ خوشنویسان**، (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، 1963ء)، ص11۔

[30] یہ مصریوں کا سب سے پہلا مذہبی خط تھا۔ معاشرہ میں اسے مقدس خط کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کا ہر حرف مصور تھا یہ ابتدائی تصویری خط کی ترقی یافتہ صورت تھی۔ اس کے کاتب مندر کے پجاری تھے، جو پتھروں اور لکڑی کے تختوں پر لکھا کرتے تھے۔ اہلِ مصر چونکہ ابتداء میں وحوش کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اس لیئے اظہار خیال کا ذریعہ حیوانات کی تصاویر قرار دیا گیا۔ مکمل ابجد انہی تصاویر میں بنائی گئی۔ آسانی کے خیال سے انھوں نے اس کی دو قسمیں کر دیں ھیروطیقی اور ویموطیقی۔ سید یوسف بخاری، **خطاطی اور ہمارا رسم الخط**، ص19۔

[31] ھیروطیقی (ھیراٹک) یہ مقدس ھیروغلفی کی پہلی قسم تھی جس کا تعلق براہ راست مذہبی احکامات سے تھا۔ یہ خط شاہی دفاتر میں جاری تھا یہ صرف خطوں اور دستاویزوں کے لیے مخصوص تھا۔ اگرچہ یہ کافی رواں تھا لیکن حروف میں کچھ کجی تھی اس لیئے ھیراٹک کہلایا۔ اس خط میں پوری تصویر کا صرف ایک جزو باقی رہ گیا اور کاغذ پر لکھا جانے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ سے 500 برس قبل کی کتابیں اس خط میں موجود ہیں۔ ایضاً

[32] چونکہ عوام الناس ان خطوط (ھیروغلفی اور ھیروطیقی خطوط) کے لکھنے کے مجاز نہ تھے اس لیئے ان لوگوں کے لیئے ھیروغلفی خط سے ایک اور خط ایجاد کیا گیا جس کا نام ویموطیقی تھا۔ اس لیئے کہ ویموس کے معنی عوام الناس کے ہیں۔ یہ خط مصر میں 600 سال قبل مسیح تک باقی رہے۔ شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری، **خط و خطاطی**، ص18۔

[33] اسی زمانے میں ھیروغلفی اور ھیروطیقی اور ویموطیقی خطوط مصر میں اوج کمال پر تھے۔ خطۂ ''فنیقہ'' جو شام اور فلسطین کے قریب ہے۔ وہاں کی رہنے والی ایک تاجر قوم جس کو فنیقی کہتے تھے جہاز رانی اور تجارت میں خاصی ترقی کر رہی تھی۔ ان کا میل جول کریٹ اور مصر والوں سے بہت زیادہ تھا۔ تمام ساحلِ بحر روم پر ان کی نوآبادیاں تھی۔ چنانچہ اس تاجر قوم کو اپنے تجارتی کاروبار چلانے اور حساب کتاب درست رکھنے کے لیئے ایک ایسے رسم الخط کی ضرورت تھی، جو خصوصیت سے تجارتی کاموں میں مددگار ہو۔ اس قوم نے پہلے تو مصریوں کے رسم الخط کو اختیار کیا اور مصریوں کے 22 حروف تہجی میں ۴ اور بڑھا کر اپنا حروف تہجی الگ مکمل کر لیا۔ 500 سال قبل مسیح ان کا زور بہت گھٹ گیا اور یہ عراق اور مختلف حصّوں میں منتشر ہو گئے۔ ان کے حروف تہجی کا زمانہ 1000 سال قبل مسیح خیال کیا گیا ہے۔ ایضاً، ص23-24۔

[34] جس دور میں ایشیائے کوچک میں فنیقی خط رائج تھے اس وقت شمالی فرات اور دجلہ کے علاقے میں آرامی قوم آباد تھی۔ انھوں نے فنیقیوں کے خط سے ایک خط اپنی قوم کے لیے مرتب کیا جو فنیقی خط سے بہت مشابہ تھا۔ آرام حضرت سام کے بیٹے اور حضرت نوح کے پوتے تھے۔ جن کی زبان قریب قریب بالکل عربی تھی۔ جس میں آرامی زبان کے مادے بھی بکثرت شامل تھے۔ ابتداء میں فنیقیہ اور آرامی خطوط میں بھی زیادہ فرق نہ تھا کیونکہ آرامی خط فی الاصل مصری خطوط کو سامنے رکھ کر معمولی فرق کے ساتھ جاری کیا گیا تھا۔ بعد میں یہ فرق نمایاں ہو گیا۔ آرامی خط سے تدمری اور نبطی خط رائج ہوئے۔ سید یوسف بخاری، **خطاطی اور ہمارا رسم الخط**، ص21۔

[35]حمیری خط کا دوسرا نام مسند ہے۔ اسی وجہ سے دونوں لفظوں کو ملا کر اس خط کو مسند حمیری کہتے ہیں۔ یمن میں ڈیڑھ ہزار سال ق م ایک متمدن حکومت قائم ہو گئی تھی۔ معین، سبا اور حمیر یہاں کے حکمراں قبائل تھے۔ ان حکمرانوں کی زبانیں تو قدرے مختلف تھیں مگر خطِ تحریر سب کا ایک تھا۔ اس کو خطِ مسند کہتے ہیں۔ یہ خط

قوم معین نے آرامیوں سے براہ راست ایک ہزار قبل مسیح حاصل کیا تھا۔انہوں نے اس میں ترمیم کر کے خطِ مسند نکالا۔اس خط کے کتبے مارب و صنعا کے کھنڈروں میں ملے ہیں۔جو یمن کے شہر تھے۔پہلے پہل یہ خط یمن میں رائج ہوا۔پھر عرب کے اکثر مقامات میں پھیل گیا۔بنو حمیر سے حیرہ(کوفہ)والوں نے حاصل کیا۔پھر حیرہ سے قریش اوراہل طائف نے سیکھا۔جس وقت اسلام کا ظہور ہواتوعرب میں خط کوفی،نبطی اورمسندِ حمیری رائج تھا۔سید محمد سلیم،**تاریخ خط و خطاطین**،ص43۔ شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری،**خط وخطاطی**،ص28۔

[36] سریانی خط کو سطر نجیلی بھی کہتے ہیں۔اس کی ابتداء قدیم مصری خطوط کے زوال اور فنیقیہ کے بعد ہوئی۔آگے چل کر یہ خط ایک کامیاب خط کی صورت میں اُبھرا۔سریانی،سامی نسل کے ایک قبیلے کا نام شامی،سریانی تھا۔شام میں اقامت گزیں ہونے کے سبب اس خط کا نام سوریا(Syria)ہوگیا۔ان کی زبان سریانی کہلاتی تھی۔سریانی زبان کے لیئے دوسری صدی قبل عیسوی میں انھوں نے آرامی خط مستعار لے کر نئی شکل میں وضع کیا۔حضرت مسیح علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے وقت فلسطین میں سریانی زبان اور سریانی خط رائج تھا۔انجیل در حقیقت سریانی زبان میں لکھی گئی تھی۔مسیحیت کو سریانی زبان سے بہت گہرا تعلق ہے۔عراق عرب میں اس خط کا بہت پہلے سے رواج تھا۔سید محمد سلیم،**تاریخ خط وخطاطین**،ص41، شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری،**خط وخطاطی**،ص30۔

[37]عبرانی خط یہودیوں نے اپنی قوم کے لیے فنیقی خط سے نکالا ہے۔568 قبل مسیح میں کلدانیوں کے بادشاہ بخت نصر نے جب یروشلم پر حملہ کر کے یہودیوں کو قید کر دیا تھا توانھوں نے فنیقی رسم الخط کی مدد سے اپنے لیے ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا۔حضرت موسیٰ کی توریت اسی خط میں لکھی ہوئی دی گئی تھی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے: حواشی نمبر 67،عبدالحیٔ عابد،**عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**،(ملتان: غیر مطبوعہ،بہاءالدین زکریا یونیورسٹی،س۔ن)،ص29۔

[38]نبطی خط،نبطی قوم یا قبیلہ سے منسوب ہے۔یہ ایک عرب قوم تھی۔نبطی دراصل حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں۔(حضرت اسمائیل کے ایک صاحبزادے کا نام ''نابت'' تھا)۔نبطی قوم چھٹی صدی قبل مسیح میں صحرائی قوم کے طور پر اس علاقے میں آئی۔جواب شرق اردن کہلاتا ہے۔نبطیوں کا بعض کتابوں میں قدیم نام آل انباط اور یونانی رومی کتابوں میں ''نبے تے ری'' بھی آیا ہے۔انھوں نے اِدومی(حضرت یعقوب کے بڑے بھائی ادوم کی اولاد)قوم کی اراضی اور اخر میں شہر بسرا پر قبضہ کر لیا۔ابتداء میں ان کا خط مسماری تھا جو انھوں نے اہل بابل سے حاصل کیا تھا۔سامیوں کی طرح جب نبطیوں کے بھی متمدن دنیا سے تعلقات پیدا ہوئے تو وہ سیاسی و تجارتی اغراض کے ماتحت اپنا مسماری خط چھوڑ کر ارامی خط میں کتابت کرنے لگے پھر کچھ مدت کے بعد انھوں نے ایک نیا خط اختراع کر لیا۔جس کو نبطی خط کہتے ہیں۔بعض محققین کی رائے کے مطابق عربی خط نبطی خط سے ماخوذ ہے۔عربی تحریر کے قدیم آثار ان کے علاقے سے ملتے ہیں۔ فلپ کے۔حتی،**تاریخ ملت عربی**،ترجمہ:سعید ہاشمی فرید آبادی،(کراچی:انجمن ترقی اردو،1954ء)ص103۔سید یوسف بخاری،**خطاطی اور ہمارا رسم الخط**،ص21-22۔

[39] اب اصطلاحاً ایسے کتبے کو حجر الرشید کہتے ہیں جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہو اور ایک زبان کی مدد سے دوسری زبان پڑھ لی جائے۔سید محمد سلیم،**تاریخ خط وخطاطین**، ص30۔

[40] شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری،**خط وخطاطی**،ص19۔

[41]مشرق کی قدیم تہذیبوں میں سمیری تہذیب،تمدن کے لحاظ سے سر فہرست تھی یہ قوم تقریباً آٹھ ہزار سال ق م وادی دجلہ و فرات کے مقام پر آباد تھی۔ عبدالحیٔ عابد،**عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**،ص22۔

[42]سید یوسف بخاری،**خطاطی اور ہمارا رسم الخط**،ص15۔

[43] عبدالحیٔ عابد،**عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**،ص22۔

[44] فلپ کے۔حتی،**تاریخ شام**،ترجمہ: غلام رسول مہر،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،پبلشرز،طبع اول،1962ء)،ص64۔

[45] بابل،عراق کا ایک قدیم شہر ہے جس کے کھنڈرات فرات کے کنارے حلہ کے قریب واقع ہیں اور بغداد کے جنوب مشرق میں160 کلو میٹر کی مسافت پر ہے۔محمد بن اسحاق ندیم،**الفہرست**،ترجمہ: محمد اسحاق بھٹی،(لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ،جون1949ء)،ص50۔

[46] سید محمد سلیم،**تاریخ خط وخطاطین**،ص31۔

47 شیخ ممتاز حسین و محمد ایوب قادری جونپوری، **خط و خطاطی**، ص20-21۔

48 سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ص31۔

49 سید یوسف بخاری، **خطاطی اور ہمارا رسم الخط**، ص17۔

50 اقبال احمد عمری، **فن خطاطی اور اس کا ارتقائی دور**، ص330۔

51 عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص13۔

52 فلپ کے۔ حتی، **تاریخ شام**، ص75۔

53 سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ص36۔

54 فلپ کے۔ حتی، **تاریخ شام**، ص75۔

55 عربی دراصل سامی (جو حضرت نوحؑ کے سب سے بڑے بیٹے سام کی اولاد تھے) زبانوں میں سے ایک ہے۔ سامی ایک لسانی اصطلاح ہے اور اس کے مطابق ہر اس شخص کو سامی کہا جاتا ہے جو کوئی نہ کوئی سامی زبان بولتا تھا۔ اب جن زبانوں کو سامی تسلیم کیا جارہا ہے، وہ دوسری زبانوں سے الگ ہیں لیکن باہم ان کا تعلق مسلم ہے مثلاً بابلی (اکادی) آشوری، کنعانی، فنیقی، آرامی، عبرانی، عربی، حبشی۔ ان تمام زبانوں کے درمیان گہری مماثلت ہے اور بحیثیت مجموعی یہ دوسری زبانوں کے مجموعوں سے جداگانہ ہیں سامی زبانیں بولنے والے گروہوں کے درمیان یہ لسانی قرابت نہایت اہم رابطہ ہے جو ان سب کو ایک رشتے میں رکھنے کی تصدیق کرتی ہے۔ لہذا جو لوگ بابلی، آشوری، اموری، کنعانی، عبرانی، آرامی، عربی اور حبشی زبانیں بولتے تھے ان کے کم از کم بعض اجداد ایک گروہ کے افراد تھے۔ ایک زبان بولتے تھے اور ایک ماحول میں رہتے تھے، بعد ازاں وہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہوگئے۔ فلپ کے۔ حتی، **تاریخ شام**، ص63۔

56 محمد بن اسحاق ندیم، **الفہرست**، ص 10۔

57 منشی دیبی پرشاد سحر، **ارژنگ چین**، (لکھنو: نولکشور پریس، 1899ء)، ص3۔

58 احمد بن یحیٰ بن جابر البشیر البلاذری، **فتوح البلدان**، ترجمہ: سید ابوالخیر، مودودی، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ستمبر 1962ء)، دوسرا حصہ، ص665۔

59 محمد بن اسحاق ندیم، **الفہرست**، ص9۔

60 مدین۔ بحر قلزم پر تبوک کے بالمقابل واقع ہے، وہاں ایک کنواں ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے حضرت شعیبؑ کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ مدین ایک قبیلہ کا نام بھی ہے۔

ایضاً، ص46۔

61 ایضاً ص9۔

62 ایضاً ص10۔

63 ایاد۔ عرب کا ایک قبیلہ ہے یہ لوگ حضرت اسماعیلؑ کی شاخ بنو سعد سے نسبت رکھتے ہیں۔ ایضاً ص47۔

64 ایضاً ص11۔

65 خط فنیقی کو وضع کرنے والے فینیقہ/فنیقی (اہل فنیشا) مصریوں کے شاگرد ہوئے اور انھوں نے ہیروغلفی (تصویری خط) سے اپنا جداگانہ خط پیدا کیا اور اپنی شب وروز کی تخلیقی کاوشوں کے نتیجہ میں تصویری خط میں تبدیلیاں کیں۔ صوتی تخفیف کے اصول کو مد نظر رکھ کر ان اشکال سے حروف تہجی وضع کیے گئے۔ مصریوں کے 22 حروف تہجی میں چار حروف اور بڑھا کر انھوں نے اپنے حروف تہجی مکمل کیے۔ حروف تہجی کی ایجاد کا زمانہ 1000 قبل مسیح، خیال کیا جاتا ہے۔ عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص26۔

66 یونانیوں کا اپنا کوئی خط نہ تھا۔ یونانیوں کو تجارت کی وجہ سے فینقی قوم سے رابطہ رہتا تھا۔ انھوں نے فنیقیوں سے حروف تہجی سیکھے۔ فینقیوں کے تتبع میں آغاز میں

اہل یونان بھی اپنی تحریر داہنی طرف سے لکھتے تھے۔ پھر چوتھی، پانچویں صدی قبل مسیح کے درمیانے عرصہ میں انھوں نے اپنی تحریر کا رخ بدل دیا۔ بجائے داہنی طرف سے بائیں طرف لکھنا شروع کیا۔ اس تبدیلی کا اثر حروف کی شکلوں پر بھی پڑا۔ یونانیوں نے اپنے خط کو یورپ کے ممالک میں بھی پھیلایا۔ سب سے پہلے رومیوں سے یونانی خط اخذ کیا اور اس کو نئی شکل دی اور اپنی زبان لاطینی کو اس میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس کو لاطینی رسم الخط کہنے لگے۔ دوسرے لوگ اس کو رومن رسم الخط کہتے ہیں۔ اس طرح سے فنیقی خط دو حصّوں میں تقسیم ہوگیا اور مشرق و مغرب کے خطوط الگ ہوگئے۔ سید محمد سلیم، **تاریخ خط وخطاطین**، ص740۔ عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص36۔

67 عبرانیوں کا قدیم خط۔ ان کا تعلق سامی قبائل سے تھا۔ سامی قبائل کی ایک شاخ دوہزار قبل مسیح میں شام کے اندر داخل ہوئی۔ ان کو عبری یا عبرانی (Hebrew) کہتے ہیں۔ آج کل انہی کی نسل کو یہودی کہتے ہیں۔ انھوں نے فنیقی رسم الخط کی مدد سے اپنے لیے ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا۔ ڈیڑھ ہزار قبل مسیح میں حضرت موسیٰؑ اس قوم میں مبعوث ہوئے ان پر اسمانی کتاب تورات نازل ہوئی، وہ کتاب اس خط میں لکھی گئی تھی مگر اس کا کوئی نمونہ دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ سید محمد سلیم، **تاریخ خطاطین**، ص40۔

68 مسند حمیری جو یمن کے قبائل حمیر، معین اور سباء تینوں میں رائج تھا۔ اس خط کے حروف الگ الگ لکھے جاتے تھے۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: حواشی نمبر35۔

69 حبشی خط، سبائی یا مسند رسم خط سے اس قدر مشابہ ہے کہ اگر معمولی اختلافات سے قطع نظر کر لیا جائے تو پھر دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ حبشی رسم خط بھی مسند کی مسخ شدہ صورت ہو۔ کیونکہ تاریخ نہایت قدیم زمانہ سے یمنی اور حبشی اقوام کے باہمی اختلاط اور میل جول پر شاہد ہے سبائی قوم نے بارہا حبش پر حملہ کیا ہے۔ اسی طرح حبشیوں نے ایک طویل عرصہ تک یمن کو زیر نگین رکھا ہے۔ ابرہۃ الاشرم جس کا قصّہ قرآن مجید کی سورۂ فیل میں مذکور ہے حبشی نژاد اور یمن کا صاحب جبروت وپر عظمت فرماں نروا تھا۔ غرض اس قسم کے تمام تاریخی مشاہدات سے یہ قیاس بجا نہ ہوگا کہ حبشی رسم خط سبائی نژاد ہے۔ ندوی، معین الدین، عربی رسم الخط، مشمولہ: ماہنامہ معارف، اعظم (گڑھ: اکتوبر1916ء، ج1، شمارہ4)، ص44۔

70 الارمی، خط کے لیے دیکھئے: حواشی نمبر34۔

71 پہلوی خط226 قبل مسیح میں ایران میں ساسانی خاندان نے بر سر اقتدار اکر آرای خط سے اخذ کیا۔ اس کو سرکاری خط بنا کر ساری مملکت میں رائج کر دیا۔ قدیم ایران سے متعلق جو کتبے، سکے اور تحریریں آج دستیاب ہوئی ہیں وہ سب کی سب پہلوی خط میں ہیں۔ یہ خط عربی فتوحات تک رائج رہا۔ سلیم، سید محمد، تاریخ خط وخطاطین، ص42۔

72 موجودہ عبرانی خط یا جدید قسم کا عبرانی خط جو پہلی صدی قبل مسیح میں ایجاد ہوا، جو عبری مربع خط کہلاتا ہے۔

73 تدمری، یہ آرای خط کی پہلی شاخ ہے، دراصل یہ قلم تدمر کے شہریوں کا تھا۔ شہر تدمر جو دمشق سے شمال کی جانب ۱۵۰ میل کے فاصلے پر تھا یہ ایک تجارتی شہر تھا جو اب فنا ہو چکا ہے۔ ان کی بولی نبطی اور مصر کی آرامی زبان کے مماثل یعنی مغربی آرامی کی شاخ تھی۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: حتی، فلپ کے، تاریخ شام، ص12-14۔

74 دیکھیے: حواشی نمبر36۔

75 اس کے لیے دیکھیے: حواشی نمبر38۔

76 عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص48۔

77 ایضاً۔

78 علامہ عبدالرحمن بن خلدون، **مقدمہ ابن خلدون**، حصّہ دوم، ص306۔

79 عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص50۔

80 علامہ عبدالرحمن بن خلدون، **مقدمہ ابن خلدون**، حصّہ دوم، ص307۔

81 محمد بن اسحاق ندیم، **الفہرست**، ص13۔

82 عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص50-51۔

83 عرب کا جنوبی حصّہ جس میں نجران اور حضر موت وغیرہ شامل ہیں اور شمالی یعنی نجد، حجاز اور تہامہ وغیرہ اوّل الذکر قحطانی قبائل کا مسکن تھا اور ثانی الذکر بنو عدنان کی نو آبادی تھی لیکن جنوبی خطہ میں قحطانیوں کے آباد ہونے سے پہلے تمدن کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ قوم معین نے بابل یا عراق سے نکل کر حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ہزار ہا برس پہلے جنوبی عرب میں ایک زبردست حکومت قائم کر کے مدنیت وحضارت کی روشنی پھیلائی تھی پھر اس کے ایک مدت بعد قحطانی قبائل نے یمن کا رخ کیا اور قوم سبا نے معینی حکومت کو فنا کر کے اپنی سلطنت قائم کر لی۔ سبائی حکومت کا پایہ تخت ''مارب'' اپنے زمانے میں تہذیب وتمدن کا مرکز تھا۔ اسی طرح شمالی عرب بھی مدنیت وحضارت کی ضیاء گستری سے محروم نہ تھا۔ حمورابی حکومت 2460 برس قبل مسیح قائم ہوئی اور تقریباً چار سو برس تک تہذیب وتمدن کی روشنی پھیلاتی رہی۔ اس کے بعد دولت شاسو ظہور پذیر ہوئی جس کی فتوحات کا دائرہ مصر تک پہنچ گیا تھا علم الآثار کے اکتشافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصر میں لوہے سے کام لینے کی ابتدا اسی عہد سے ہوئی تھی۔ پھر یکے بعد دیگرے تدمری اور نبطی حکومتیں قائم ہوئیں۔ جن کے تمدن وتہذیب کے آثار اب تک زبان حال سے اپنی عظمت ورفعت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ معین الدین ندوی، **عربی رسم الخط**، ص40-41۔

84 عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص54۔

85 ایضاً ص2۔

86 علامہ عبدالرحمن بن خلدون، **مقدمہ ابن خلدون**، حصّہ دوم، ص305-306۔

87 عابد، عبدالحیٔ، عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء، ص2۔

88 ایضاً ص55۔

89 شیخ محمد یسین، **عہد نبوی کا تعلیمی نظام**، (لاہور: ارشد بک سیلرز، 1995ء)، ص54۔

90 محمود شکری آلوسی، **بلوغ الارب**، ص537۔

91 ایضاً ص543۔

92 عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص3۔

93 شیخ محمد یٰسین، **عہد نبوی کا تعلیمی نظام**، ص57۔

94 احترام الدین احمد شاغل عثمانی، **صحیفہ خوشنویسان**، (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، 1963ء)، ص12۔

95 سید محمد سلیم، **تاریخ خط وخطاطین**، ص53۔

96 شیخ محمد یٰسین، **عہد نبوی کا تعلیمی نظام**، ص57۔

97 حمید اللہ، **عہد نبوی میں نظام حکمرانی**، (حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، س۔ن)، ج1، ص204-205۔

98 حضرت عمر ابن خطاب، حضرت عثمان ابن عفان، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت طلحہ بن عبداللہ، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد المخزومی، حضرت ابو سفیان بن حرب بن امیہ، حضرت معاویہ بن ابو سفیان، حضرت حاطب بن عمرو، حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح العامری، حضرت علاء الحضرمی، خالد بن سعید، ابان بن سعید بن العاصی بن امیہ، جہیم بن الصلت، حویطب بن عبدالعزیٰ، یزید بن ابو سفیان۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر، فتوح البلدان، ص665-666۔

99 ترجمہ: ''پڑھ اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بہت کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور

انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ (القرآن الکریم 1:5)۔

[100] احمد بن یحییٰ بن جابر اشہیر البلاذری، **فتوح البلدان**، ص667۔

[101] ان میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضی، حضرت امیر معاویہ، حضرت ابان بن سعید، حضرت خالد بن ولید، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت ثابت بن قیس، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حنظلہ بن ربیع، ابورافع قبطی، عمرو بن العاص، زبیر بن العوام، عمر بن رافع، حذیفہ بن الیمان اور مغیرہ بن شعبہ شامل تھے۔ عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص65۔

[102] سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ص53۔

[103] ایضاً ص55۔

[104] سید یوسف بخاری، **خطاطی اور ہمارا رسم الخط**، ص25۔

[105] ایضاً۔

[106] عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص66۔

[107] سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ص63۔

[108] احترام الدین احمد شاغل عثمانی، **صحیفہ خوشنویسان**، ص21۔

[109] ایضاً ص22۔

[110] عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص70۔

[111] ایضاً۔

[112] احترام الدین احمد شاغل عثمانی، صحیفہ خوشنویسان، ص14۔

[113] سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ص60-61۔

[114] عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص73۔

[115] احترام الدین احمد شاغل عثمانی، **صحیفہ خوشنویسان**، ص15۔

[116] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، **عربی خط**، (لاہور: دانشگاہ پنجاب، 1973ء، طبع اوّل)، ج8، ص962۔

[117] احترام الدین احمد شاغل عثمانی، **صحیفہ خوشنویسان**، ص18۔

[118] عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص75۔

[119] ایضاً ص77۔

[120] سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ص82-683۔

[121] محمد بن اسحاق ندیم، **الفہرست**، ص15۔

[122] یہ ایک شامی غلام تھا۔ جو اپنے خط کی خوبی کے باعث دربار خلافت تک پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔ رفتہ رفتہ مروان الحمار کا میر منشی بن گیا اور اسی کے ساتھ 132ھ میں قتل ہوا۔ احترام الدین احمد شاغل عثمانی، **صحیفہ خوشنویسان**، ص23۔

[123] ایضاً۔

[124] عبدالحیٔ عابد، **عربی خط کی تاریخ اور ارتقاء**، ص79۔

[125] سید محمد سلیم، **تاریخ خط و خطاطین**، ص95-96۔